جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

ستمبر ۱۹۹۷ء

جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماھنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ ـ ستمبر ۱۹۹۷ء شمارہ : ۱۲

مدیر
سید محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ـ ـ ـ ـ سالانہ		۱۱۰ روپے
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ـ ـ ـ	"	۴۵ ریال
بھارت، بنگلہ دیش ـ ـ ـ ـ ـ ـ	"	۱۰ امریکی ڈالر
امریکہ افریقہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	"	۱۶ ڈالر
برطانیہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	"	۱۷ ڈالر

اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . . سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور
کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۷۷۲۴۲۷۳-۲۰۱۰۸۶
فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲ - ۴۲ - ۹۲

سید رشید میاں طابع وناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ	۵
رُوح کیا ہے؟	حضرت مولانا سیّد محمّد میاںؒ	۱۳
مقاصدِ شریعت	حضرت مولانا قاری محمّد طیّبؒ	۲۶
الخلیفۃ المہدی	شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ	۳۱
حیلے اور بہانے	حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری	۴۲
تاریخ قرأت	مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب	۴۷
حاصل مطالعہ	مولانا نعیم الدّین صاحب	۵۶
تقریظ و تنقید		۶۱

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلّہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلّہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔ انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمُود میاں

نحمدہ ونصلّی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد!

گزشتہ چند ماہ سے مسلسل حکومت کی جانب سے مدارسِ دینیہ کے بارے میں اس قسم کے بیانات آرہے ہیں کہ ان میں ایسی تعلیم دی جاتی ہے جس سے مذہبی منافرت پیدا ہوتی ہے اور فرقہ واریّت کو ہوا دی جاتی ہے اور مذہب کے نام پر نوجوانوں کے جذبات بھڑکا کر اُن سے دہشت گردی کرائی جاتی ہے ۔ وغیرہ وغیرہ۔

واقعہ یہ ہے کہ بنی نوعِ انسان کی فلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعے دینِ اسلام بطورِ ایک ضابطہ حیات ہم کو عطا فرمایا اور قیامت تک کے لیے اس کو ہمارے لیے پسند فرمالیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔ الیوم اکملت لکم الآیۃ آج مَیں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمّل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لیے بطور دین اسلام کو پسند کر لیا ۔ لہٰذا اس خُدائی دین کی حفاظت اور اس کی اشاعت ہر مسلمان کا اوّلین فریضہ ہے۔ اس کی حفاظت کی خاطر اپنے تن من دھن کو صرف کر ڈالنا سب سے بڑی سعادت ہے۔ مدارس دینیہ اسی سعادتِ عظمیٰ کے حصول کی ترغیب دے کر معاشرہ کو صالح افراد فراہم کرتے ہیں۔ جن کی وجود کی برکت سے مخلوقِ خدا متمتع ہوتی ہے۔ صالحین کی یہ جماعت لوگوں کو نیک کاموں کی ترغیب دیتی ہے۔ بُرائی سے روکتی ہے۔ انہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ اس گئے گزرے دَور میں بھی دین اپنی کسی نہ کسی شکل میں زندہ ہے جبکہ

اس کو اس کی اصل شکل میں زندہ وجاوید رکھنا حکمرانوں کا ذمہ ہے ان کا سب سے پہلا فرض یہی ہے کہ حدود وقصاص اور جملہ اسلامی قوانین کو نافذ کریں۔ جتنے بھی تعلیمی ادارے ہیں اُن میں اسلامی عقائد وتعلیمات کو اوّلیت اور لازمی قرار دیں، مگر پچاس برس گزر گئے کسی بھی حکومت کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ اپنے اوّلین فرض منصبی سے سبکدوش ہوتی بلکہ اُلٹا دین کی اشاعت وتعلیمات میں روڑے اٹکائے جاتے رہے ہیں جس کا نتیجہ اور وبال آج سب بھگت رہے ہیں۔ اَب جبکہ ملک بُری طرح دہشت گردی کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے تو حکمران یہ کہہ رہے ہیں کہ مدارسِ دینیہ اس کے ذمہ دار ہیں جبکہ آج تک بحمد اللہ اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکا ہے، بلکہ اخبارات کے ذریعہ علماء کی طرف سے حکومت کو بارہا یہ کہا گیا ہے کہ اگر اس قسم کی سرگرمیوں میں کوئی مدرسہ ملوث ہے تو حکومت کو چاہیے کہ اس کی نشاندہی کرے اگر فی الواقع وہ دہشت گردی میں ملوّث پایا گیا تو اس کے خلاف تادیبی کارروائی پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا مگر حین التحریر حکومتی ذرائع کسی بھی مدرسہ کے بارے میں اس قسم کی نشاندہی نہیں کر سکے۔ ہوسکتا ہے کہ جامعات کے خلاف اس بے بنیاد پراپیگنڈے کا مقصد یہ ہُوا کہ اس طرح رائے عامہ کو اُن کے خلاف کر دیا جائے تاکہ کسی بھی مناسب موقع پر ان کے خلاف کارروائی کرنی آسان ہوجائے اور اُن پر ترکی کی طرح پابندی لگائی جا سکے، مگر امریکی آلۂ کار دین دشمن قوتوں کی یہ سوچ انشاء اللہ کبھی پوری نہ ہوسکے گی۔ انہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ترکی اور پاکستان کے حالات ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں پاکستان میں مدارس کے خلاف کسی بھی سازش کی زبردست مزاحمت کی جائے گی اور تائید خداوندی بھی اُن کے ساتھ ہوگی اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ہو اُس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ مخالف قوتیں یا تو عبرت حاصل کر کے تائب ہو جاتی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ کا قہر اور غضب اُن پہ نازل ہوتا ہے جس کا نتیجہ دُنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو عیسائی اور یہودیوں کا آلۂ کار بننے سے محفوظ رکھے اور انہیں دینی اداروں کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولای صل وسلم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلھم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رحؒ کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں انھوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالا "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است — خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۱۸، ۱۰/ اکتوبر ۱۹۸۲ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وّ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

بات چل رہی تھی کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جس وقت وہ زخمی تھے اور قریب الوفات تھے اُس وقت بے چینی کا اظہار کیا۔ حضرت ابن عباس رضؓ نے پُوچھا تو اُنھوں نے فرمایا کہ یہ بے چینی اس تکلیف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس خیال سے ہے کہ تمہارا اور تمہارے بعد آنے والوں کا کیا ہوگا؟ میرے بعد کیا صورت ہوگی؟ تم لوگوں کی خاص طور پر یہ فکر مجھے زائد ہے، اور اسی پہ مَیں نے عرض کیا تھا کہ حج کے دوران خاص طور پر اُنھوں نے اس بات کو نوٹ کیا تھا فکر مند تھے۔

اس حادثہ سے پہلے جو جمعہ گزرا تھا اُس میں اُنھوں نے تقریر فرمائی اور اُس میں کئی چیزیں ذکر کیں اور وہ تقریر اس گفتگو کے متعلق تھی جو حج کے موقع پر آپ نے سُنی تھی آپ کو بعض لوگوں کی رپورٹ پہنچی کہ بعض لوگ باتیں کر رہے ہیں کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ رہیں اور وفات پا جائیں تو میں فلاں آدمی سے بیعت کر لوں گا۔ دوسرے نے کہا میں فلاں آدمی سے بیعت کر لوں گا۔ یعنی انہیں خلیفہ مان لوں گا اور کچھ

لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ہاں بات ٹھیک ہے اچانک جسے خلیفہ بنا لیا جائے وہ چل جاتا ہے جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چل گئے۔

بات یہ تھی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر دیں لیکن آپ اِس سے رُک گئے یہ جمعرات کے دن کی بات ہے فرمایا کہ تم بھائی کو اور والد کو بُلا لو میں لکھ دوں گا۔ اور بھی ارشادات فرمائے اس طرح کے لیکن پھر رُک گئے اور فرمایا کہ وَ یَأبَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ[1] مُسلمان خود ہی راضی نہیں ہوں گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ بنانے پر گویا کہ جو آگے کو آنے والی چیز تھی وہ بتا دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ نقل کیا اور فرمایا کہ تم میں کون ایسا ہے جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ ان جیسا کوئی ہے بھی نہیں اور، وہ تو اُمت میں فردِ واحد تھے، سب سے بڑے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں جو دُشواری پیش آئی وہ کیا تھی ؟ مشورہ ہوتا رہا اور یہ حضرات پہنچ گئے وہاں ثقیفہ بنی ساعدہ میں وہاں جاکر باتیں کیں پھر اُن لوگوں کو متفق کیا۔ فضائل ذکر کیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پھر انصار راضی ہوئے اور بیعت ہوئی وہاں ثقیفہ بنی ساعدہ میں، یہ بیعت ہونا یہ رائے دینا ہے گویا کہ بیعت ہونا یہی ووٹ دینا ہے، بلکہ ووٹ سے بھی آگے ایک معاہدہ ہے کہ ہم آپ کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ تو بلکہ ایسے ہے جیسے اسمبلی کے ممبران حلف اُٹھاتے ہیں، اس درجہ کی چیز ہو گئی بیعت ہونا، اُس کے بعد بیعتِ عامہ اُنہوں نے کی مسجد میں آکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ پورا واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ یہ بھی بتلایا کہ وہ اہم تھے اس لیے ایسے ہُوا اور اُن کی عظمت سب لوگ مانتے تھے اُنہیں کوئی خفا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفا ہو جاتے تھے تو تم میں کون ابوبکر جیسا ہے ؟ آج اگر کوئی ایسے کرے گا جیسے مَیں نے سُنا تھا۔ حج کے موقع پر بعض لوگ ذکر کر رہے تھے (تو جس کے ہاتھ پر بیعت ہوگی اور جو کرے گا دونوں مارے جائیں گے۔) لیکن وہاں مکہ مکرمہ میں چونکہ مخلوط لوگ تھے بات نہ سمجھ پاتے، سمجھانا میں چاہتا تھا۔ سمجھ نہ پاتے۔ اس لیے مَیں نے وہاں یہ بات مناسب نہ سمجھی۔ یہ دار الخلافہ ہے۔ یعنی مدینہ منورہ انتخاب جو ہونا ہے وہ یہاں ہونا ہے

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵

یہاں کے بعد پھر دوسری جگہوں پر اطلاع پہنچے گی اور انتخاب ہوگا۔ بیک وقت تو وو ٹنگ ـــــــ ہو ہی نہیں سکتی تھی نہ رائے لی جا سکتی تھی ناممکنات میں سے تھا تو اس کا طریقہ کار یہی تھا کہ دارالخلافہ (مدینہ منورّہ) میں طے کرلیا جاتا تھا کیونکہ وہیں سب سے اہم لوگ ہُوا کرتے تھے اور اُن کے فیصلہ کو ہر جگہ تسلیم کرلیا جاتا تھا۔ تو انھوں نے یہاں تقریر کی مدینہ منورہ میں کہ آج اگر کوئی ایسا کرے گا تو جس کے ہاتھ پر بیعت کرے گا اور جس نے بیعت کی وہ دونوں کے دونوں مارے جائیں گے۔ جو ایسا سوچتے ہیں کہ ہم ایسا کرکر بیعت کرلیں گے اور بس وہ پھر ماننی پڑجائے گی لوگوں کو، تو جو ایسا کرتے ہیں وہ غلط ہے۔ یہ تو ایسا ہے کہ اَنْ یَغْتَصِبُوْا اُمُوْرَ النَّاسِ کہ جیسے لوگوں کے معاملات میں دخل اندازی کرکے اُن کے حقوق کو غصب کررہے ہیں تو جو کوئی اب ایسا کرے گا۔ مِنْ غَیْرِ مَشْوَرَۃٍ بغیر مُسلمانوں سے مشورہ لیے فَلَا یُتَابَعُ ھُوَ وَلَا الَّذِیْ تَابَعَہٗ مَخَافَۃَ اَنْ یُّقْتَلَا نہ اُس کی پیروی کی جائے گی اور نہ اِس کی پیروی کی جائے گی جس کے ہاتھ پر اُس نے بیعت کی ہے اور دونوں کا یہی ہوگا ہر وقت کہ اس خیال میں ہوں گے کہ کہیں ہم دونوں مارے نہ جائیں اور لوگ بھی اس خیال میں ہوں گے پتہ نہیں یہ کتنے دن چلتے ہیں تو یہ تو غلط بات ہے یہ اُنھوں نے خُطبہ ارشاد فرمایا اور ایسا کام کرنے والوں کو اُنھوں نے غاصب قرار دیا کہ حقوق جو ہیں وہ غصب ہوجاتے ہیں اس میں لوگوں کی مرضی نہیں ہوتی اور لوگوں کی مرضی نہ ہو تو حکومت کا جماؤ نہیں ہوتا حکومت کا جماؤ نہ ہو تو امن نہیں ہوتا یہ ساری چیزیں گڑبڑ ہو جائیں گی تو اُن کی بے چینی جو تھی وہ اس قسم کی تھی اس کے بعد ہی یہ قصّہ پیش آگیا۔ حج میں یہ بات سُنی تھی تشریف لائے تو خُطبہ دیا اور خطبہ کے بعد پھر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ یہ واقعہ پیش آگیا تو ان دِنوں میں وہ کچھ طے نہ فرما سکے تھے کہ کون میرے بعد ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو نامزد کیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لیکن میں عرض کر چکا ہوں اُس کے بارے میں کہ نامزدگی اس طریقے کی نہیں کی تھی بلکہ اُنھوں نے مشورہ لیا تھا پہلے اور جن لوگوں کو تردُّد تھا اُنھوں نے اپنا تردُّد ظاہر کیا کہ ہمیں یہ تردُّد ہے کہ اُن کے مزاج میں یہ حدّت ہے بس یہ ایک چیز ایسی ہے باقی کوئی چیز نہیں حِدّت یعنی تیزی اس سے ہمیں اندیشہ ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں پھر ابوبکرؓ نے ان لوگوں کو سمجھایا اور کہا کہ نہیں وہ تیزی جو ہے وہ اس قسم کی نہیں ہے، بلکہ جب کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو اُس میں یہ تیزی نہیں کہ نے غور کرتے ہیں تیزی ضرور ہے لیکن جب

کوئی ذمہ داری ڈالی جائے۔ پھر بے سوچے سمجھے کچھ کہہ دیں یا کر دیں ایسا ہرگز نہیں ہے تو اُنھوں نے عرض کیا کہ اچھا پھر اعلان کر دیں، آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا اور وہ اعلان کرتے رہے، مضمون لکھا اُس کا مضمون سُنایا کہ یہ مضمون ہے مگر اتنی کمزوری تھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہ وہ مضمون دو یا تین دفعہ میں پُورا ہوا ہے۔ کیونکہ درمیان میں بے ہوشی کی کیفیت ہو جاتی تھی۔ پھر ہوش میں آتے تھے تو فرماتے تھے کہ آگے کیا ہے؟ وہ سُنا دیتے تھے پھر اس طرح دو تین دفعہ میں وہ پُورا مضمون ہوا ہے تو اُنھوں نے نامزد اس طرح نہیں کیا کہ بغیر مشورہ کے نامزد کر دیں۔ کیونکہ اگر بغیر مشورہ کے نامزد کرنے کا کوئی طریقہ اس طرح رواج دینا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو خود کر لیتے ایسے، مگر آپ نے نہیں کیا اپنے بعد کے لیے، نامزد جو ہونے والے تھے اُن کے نام ضرور لیے ہیں کہ میرے بعد یہ اور یہ آنے والے ہیں۔ ابوبکر ہیں، عمر ہیں اور ان میں کون پہلے کون بعد میں یہ بھی نہیں اُس میں کوئی ذکر وہ تو معجزات میں شمار ہوتا ہے کہ آپ نے آئندہ آنے والے واقعات کی جو خبر دی ہے وہ یہ ہے آگے کے لیے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میری سمجھ میں نہیں آرہا سوائے اس کے کہ تمہارا معاملہ پوری اُمت کا معاملہ ہے، میں چند لوگوں کو جو ایسے ہیں کہ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی رہے ہیں ہمیشہ، ایسے لوگوں کے سپرد کر دوں کہ وہ آپس میں کثرتِ رائے سے کسی کو چُن لیں اُن میں سے کسی کو لے لیں میری رائے یہ ہے، اُنھوں نے بھی نامزد معین کر کے نہیں کیا بلکہ اُنھوں نے اپنی رائے یہ دی۔ اُن میں سے کسی ایک کو لے لیا جائے جس پہ لوگ متفق ہو جائیں وہ چھ حضرات تھے ایک اپنے بہنوئی حضرت سعید رضی اللہ عنہ اور غالباً وہاں نام اُن کا نہیں لیا ہے اُنھوں نے شاید وہ وہاں تھے نہیں کہیں روانہ ہوئے تھے اس خطبہ میں تو تھے جس وقت یہ تقریر ارشاد فرمائی جمعہ کے وقت اس کے بعد جب یہ واقعہ پیش آیا اس وقت غالباً نہیں تھے تو اُنھوں نے پھر نام لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سعید رضی اللہ عنہ کا نام نہیں لیا حیات تھے وہ۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے معزول کر دیا تھا اس کے بارے میں فرمایا آپ نے کہ میں نے جو اُن کو معزول کیا تھا وہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ وہاں انتظام نہیں سنبھال سکتے تھے۔ یہ بات بھی نہیں تھی کہ انھوں نے کوئی خیانت کی ہو۔ اگر اُن کا نام آجائے قضا کا تو وہی مناسب ہوں گے اور جو وصیتیں کرنی تھیں وہ وصیتیں فرمائیں۔

یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے وقت پیش آیا۔ نامزدگی اُسے نہیں کہا گیا آج تک کسی نے بھی نامزدگی نہیں کہا، انتخاب ہی کہا ہے اُس دور میں جب وسائل کم تھے انتخاب کا طریقہ اس سے بہتر ہو بھی نہیں سکتا تھا کوئی۔ پھر یہ کہ بیعتِ عامّہ بھی ہوتی تھی اور بیعتِ عامّہ یعنی پہلے یہاں یہ بیعت ہوئی اور پھر اور لوگ آتے گئے۔ بیعت ہوتے گئے۔ پھر مسجد میں تشریف لے گئے بیعت کے لیے اور اُس میں تخلّف ثابت نہیں، اس میں یہ نہیں کہ دو رائے ہوئیں کہ انتخاب غلط ہوا ہو کسی نے غلط کہا ہو، غلط تسلیم کیا ہو۔ ایسی صورت نہیں ہوئی۔

اُنھوں نے بڑی دیانت داری سے بڑی بے غرضی بے نفسی سے اپنے بیٹے کا نام نہیں لیا، اور اپنے بیٹے کے بارے میں فرمایا کہ یہ تمہارے ساتھ رہے گا بس، مگر میں جن لوگوں کے اندر یہ (خلافت کی ذمہ داری) رکھنی چاہتا ہوں وہ وہ ہیں کہ جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف فرمائی ہے جنہیں جنت کی بشارت دی ہے جن کے لیے آپ اُمّت پر راضی ہوئے اور ان میں سب سے زیادہ اہلیت پائی جارہی ہے تو یہ بات تھی۔

حضرت ابوعُبیدہ رضؓ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو میں اُن کے لیے ایسے کرلیتا، اس کا مطلب یہ کہ اُن میں بہت بڑی بڑی صلاحیتیں محسوس ہوتی تھیں حضرت عمر رضؓ کو، اگرچہ ہمارے سامنے جو آیا ہے اُن کا معاملہ وہ دو ہیں ایک امین ہونا، نجران کا وفد آیا اُنھوں نے کہا ہمارے پاس ایک امین بھیج دیجیے آدمی جو امانت دار ہو حَقَّ اَمِیْنٍ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں ایسا آدمی بھیجوں گا جو حَقَّ اَمِیْنٍ پوری طرح امین ہو اور حضرت ابوعبیدہ رضؓ کو بھیجا۔ بعد میں دوسرا واقعہ سامنے آتا ہے وہ جہاد کے متعلّق ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے وہاں کے کمانڈر پورے محاذ کے انچارج اُن کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضؓ ہوگئے۔ شام کے محاذ کی طرف انچارج تو اس طرح تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ بھی رہے ہیں قادسیہ میں اور ایران کے محاذ پر بھی، تو یہ حضرات رہے تو ہیں لیسے لیکن ان میں اہلیتیں جو اور تھیں ان کا مطالعہ غالباً حضرت عمر رضؓ کو بڑا پسند آیا تھا۔ ایک دفعہ سفر کرکر تشریف لے گئے۔ شام کی طرف سفر کیا اور پہنچے وہاں دریافت کیا کہ کہاں ٹھہریں گے اُنھوں نے کہا کہ میں اپنے بھائی کے پاس ٹھہروں گا۔ یعنی حضرت ابوعبیدہ رضؓ کے پاس وہاں ٹھہرے، گئے اُنھی کے خیمے میں ٹھہرے جہاں مکان تھا یا خیمہ تھا اُس میں قیام فرمایا۔ وہاں دیکھا تو وہاں سامان ہی کچھ نہیں تھا، چند چمڑے کے جیسے مشکیزے ہوتے

ہیں یا اور کوئی اس طرح کے برتن جیسے بنے ہوئے ہوتے ہیں اس طرح شکل تھی پوچھا سامان کہاں ہے؟ کہا بس کُل یہی ہے تو ایک آدمی جو اتنے بڑے علاقے کو فتح کر رہا ہو جو گویا دُنیا کی سُپر پاور تھا اُس وقت، یا یہ ایران یا رُوم اُس کے علاقے کو فتح کر رہے ہیں۔ دار الحکومت فتح کر لیا اور آگے بڑھتے جا رہے ہیں اور ان کا خود اپنا ایسا حال ہے تو یہ چیزیں بڑی پسند تھیں (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو) وہ فرمانے لگے کہ ہم سب کو ــــــــــ دُنیا نے تبدیل کر دیا تمہیں نہیں بدلا یہ جُملہ بھی ویسے ہی (تواضعاً) تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انہیں (حضرت عمرؓ کو) بھی نہیں بدلا دُنیا نے، اثر انداز ان پر بھی نہیں ہوئی تھی ایک سے دوسرا سالن نہیں ساتھ رکھتے تھے تو بات چل رہی تھی کہ ایک طریقہ وہ ہے انتخاب کا۔ تیسرا یہ ہوتا ہے کہ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد پیش آیا واقعہ کہ ان کی بھی شہادت ہو گئی اور اس وقت بھی بہت سے صحابہ کرام یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ شہید کر دیں لوگ اور ہو گئی (شہادت)، تو وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے لوگ کہ آپ بیعت لے لیجیے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونا چاہتے ہیں وہ باغی تھے آپ نے فرمایا کہ نہیں، حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ کے پاس بھی گئے۔ وہ مدینہ منوّرہ کے قریب رہتے تھے باہر، وہاں پہنچے منع کر دیا اُنہوں نے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے منع کر دیا حضرت زبیر رضؓ نے منع کر دیا، ان تین کا نام تو بہت آتا ہے کہ تینوں حضرات نے منع کر دیا آخر بہت سے لوگوں نے حضرت علیؓ کو سمجھایا کہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ آپ کی ذات کا نہیں بلکہ پوری اسلامی مملکت کا معاملہ ہے تو اس میں پہلوتہی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے تو آپ کو کرنا ہی پڑے گا۔ پھر راضی ہو گئے، لیکن اُنہوں نے اپنے لیے ترجیح کے واسطے ایک اُصول نیا طے کیا اُنہوں نے کہا کہ یہ جو ہے یہ تمہارے کہنے سے میں بیعت نہیں لوں گا۔ جب تک وہ حضرات نہ آئیں جو اہلِ بدر ہیں کیونکہ اہلِ بدر زندہ تھے۔

اسلام میں سب سے بڑا درجہ جو ہے وہ تو عشرہ مبشرہ کا ہے اُن کے بعد درجہ جو ہے وہ اہلِ بدر کا ہے تو جو لوگ انقلاب لاتے ہیں تو اصل میں پھر حکومت وہی کرتے ہیں وہ قربانیاں دیئے ہوئے ہوتے ہیں بہت کچھ کیے ہوئے ہوتے ہیں تو انقلاب لانے والے جو لوگ ہوتے ہیں وہ حکومت کے حقدار سب سے زیادہ ہوتے ہیں تو سب سے زیادہ قربانی دینے والے اس انقلاب میں وہ اہلِ بدر ہیں سب سے اوّل درجہ اُن کا آتا ہے۔ خدا کے یہاں اُن کا درجہ بہت بڑا ہے وہ تین سو تیرہ حضرات ہیں، ان میں سے ۳۲ھ میں نو سو حضرات زندہ تھے مدینہ منورہ میں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دَور میں بھی اسّی کے قریب زندہ

تھے کچھ کی وفات اور ہو گئی، ۳۵ھ تک تین سال بعد اور تین سال بعد اُنثی کے لگ بھگ حیات تھے اُنہوں نے کہا جب تک وہ نہ آئیں اور وہ نہ مجھے خلیفہ بنائیں اُس وقت میں نہیں ہلوں گا۔ بیعت تو یہ بھی انتخاب ہی ہوا۔ اہلِ بدر نے پہلے بیعت کی ہے بعد میں اہلِ مدینہ نے اور دوسرے لوگوں نے بیعت کی ہے اور پھر بیعتِ عامہ مسجد میں ہوئی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نامزد نہیں کیا ہے، آپ اگر چاہتے نامزد فرمانا نامزد فرما سکتے تھے ارادہ بھی ہوا بلایا بھی اور پھر رُک گئے، ایک دن فرمایا بھی لاؤ میں لکھ دوں یہ بہتر ہوگا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بات کی کہ ہمارے پاس کتاب اللہ ہے اور دریافت کریں کہ کیا ارشاد ہے ؟ کیا مطلب ہے ؟ اس طرح سے یہ بات ہوتی رہی اور آپ نے فرمایا کہ یہاں سے ہٹ جاؤ، اُٹھ جاؤ، وہ اُٹھ گئے بات رہ گئی، لیکن یہ جمعرات کے دن کی بات ہے، جمعہ، ہفتہ، اتوار، پیر چار دن اور گزرے بعد میں، اس درمیان میں باہر تشریف بھی لائے ہیں، نماز بھی پڑھائی ہے۔ خطبہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ پیر کے دن شام کے وقت وفات ہوتی ہے۔ بعد از دوپہر شام کے قریب مگر آپ نے مُعیّن نہیں کیا کسی کو اور یہ فرمایا وَ یَابَی اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَا بَکْرٍ خود بخود ایسے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اور مومن ابوبکر کے سوا باقی اور کسی پر راضی نہ ہوں گے تو وہ متفق کرنا اور پھر ایک طرف لانا لوگوں کو اور راضی کرنا یہ کام تو کرنا پڑا ہے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں، ثقیفۂ بنی ساعدہ میں گئے ہیں حضرت عمرؓ بھی حضرت ابوبکرؓ بھی وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے بات کی وہ انصاری سیدھے لوگ تھے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یا تو ایسے ہوتا کہ انصار میں سے ہوتا (خلیفہ) کہ اِنْ نُّتَابِعُھُمْ عَلٰی مَالَا نَرْضٰی پھر اُن کے پیچھے چلتے رہتے اور اس طرز پر کہ جس طرز ہم راضی نہ ہوں طبیعت ہماری خوش نہ ہو تو ٹھیک نہ ہوتا یا مخالفت کرتے تو فساد فی الارض ہو جاتا جھگڑا ہو جاتا اس واسطے اس معاملے کو طے کرنا ضروری تھا تو ہم پھر وہیں پہنچ گئے جہاں وہ جمع ہیں قبل اس کے کہ وہ اپنے آدمی کو آگے بڑھائیں نام لائیں اُس کا ہم پہنچ گئے خود ہی وہاں کچھ لوگوں نے منع بھی کیا کہ وہاں مت جائیں ہم نے کہا نہیں وہیں جائیں گے جا کر باتیں کیں اور حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ میں یہ تقریر کے جملے کہوں گا اور ذہن میں یہ تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایسی باتیں نہیں سوچ رکھی ہوں گی، وہ فرماتے ہیں کہ بس وہاں بات ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہہ دیا کہ ذرا ٹھہرو میں بات کرتا ہوں اب اُن کو ناراض کوئی نہیں کرنا چاہتا تھا کہتے ہیں کہ میں بھی چُپ ہو گیا، لیکن میرے دل میں یہ تھا کہ میں نے اتنی اچھی تقریر سوچی تھی ایسا اچھا مضمون سوچا تھا یہ کیسے ہوگا تو فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ

عُمدہ اُن کا مضمون تھا۔ جب اُنھوں نے ادا کیا اور اُنھوں نے یہ کہا کہ بَایِعُوْا عُمَرَ عُمر سے بیعت کرلو یا حضرت ابو عبیدہؓ کا اسم گرامی لیا کہ ابو عبیدہ سے بیعت کرلو تو فرماتے ہیں کہ ساری تقریر میری تقریر سے بہتر تھی سوائے ان دو لفظوں کے یہ مجھے پسند نہیں آئے اور وہ کہتے تھے کہ میں اس کو پسند کروں گا کہ مرجاؤں بہ نسبت اس کے کہ مَیں ایسے لوگوں پر حکومت کروں کہ مَحْکُوْمِیْنَ میں ابوبکرؓ جیسے لوگ ہوں میرے محکوم لوگوں میں ابوبکر جیسے ہوں یہ میں پسند نہیں کرتا، فرماتے تھے کہ یہ آج تک میرا یہی حال ہے اس وقت تک یہی حال ہے۔ وفات سے کچھ پیشتر جو تقریر فرمارہے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اِلَّا اَنْ یُّصَوِّرَ نَفْسِیْ عِنْدَ الْمَوْتِ شَیْئًا لَا اَجِدُ سوائے اس کے کہ خدا نخواستہ، موت کے وقت کوئی چیز ایسی پیش آجائے میرے دل میں جو مجھے اب نہیں محسوس ہوتی اور اس وقت پیش آجائے وہ الگ بات ہے بہرحال مسئلہ تھا یہاں حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کا کہ وہ کیسے ہوا؟ اس مناسبت سے مَیں نے یہ ذکر کیا ہے کہ انتخاب کا طریقہ ہی پسند فرمایا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس چیز کو اسی طرح چھوڑ دیا تھا، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے مشورہ کرلیا اور جو اعتراضات تھے اُن کا جواب دیا لوگوں کی تشفی کی لوگ مطمئن ہوگئے پھر فرمایا کہ پھر لکھ لو ایک چیز اور اعلان فرمادیا وہ مضمون بھی سُنایا اور ان کے بعد حضرت عُمر رضی اللہ عنہ بھی اسی بے چینی میں تھے ایک طریقہ پسند آیا کہ یہ اتنے آدمی ہیں عشرہ مبشرہ میں سے بچے ہُوئے ان میں سے آپ کسی کو منتخب کرلیں فَاِنْ اَصَابَتِ الْاِمْرَۃُ سَعْدًا فَھُوَ ذَاکَ اگر امارت سعد رضی اللہ عنہ کو مل جائے تو بس وہ بھی ٹھیک ہے ورنہ اَیُّکُمْ مَا اُمِّرَ تم میں سے کوئی بھی امیر بنایا جائے اُس کو یہ اور یہ اور یہ میں وصیّت کرتا ہوں نامزد نہیں کیا کسی، چھوڑ دیا انتخاب پر پھر وقت گزر گیا زیادہ اور یہ حضرات سوئے نہیں اسی سوچ میں رہے پھر انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب ہم نے ہی ہونا ہے اور سب کی رائے وہی ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف بھی نہیں ہے تو ہم میں سے یہ طے کرلیں تاکہ آسانی سے اور جلدی طے ہوجائے اور ووٹ کم کیے دیتے ہیں۔ چھ کے تین کیے دیتے ہیں اور پھر اُنھوں نے اپنے میں سے ایک کو ذمّہ دار بنادیا۔ (یعنی اپنی اپنی رائے کے لیے دوسرے کو وکیل بنادیا اور اس طرح معاملہ خوش اسلوبی سے طے پاگیا) اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مُستقیم پر قائم رکھے اور آخرت میں ان حضرات کا ساتھ نصیب فرمائے۔ (آمین)

رُوح کیا ہے؟

حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
مُحدّث، فقیہ، مُورّخ، مُجاہد فی سبیل اللہ، مُولّف کتبِ کثیرہ

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں

آپ نے تحریر فرمایا ہے: "رُوح کے معاملہ میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے؟"

اس کا جواب تو یہ ہے کہ اسلام کا نُقطۂ نظر وہ ہے جو نص قرآن سے ثابت ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ (آپ سے پُوچھتے ہیں رُوح کو) جواب کے لیے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہدایت ہے: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ، پس یہ مختصر جواب ہی حقیقی جواب ہے اور یہی اسلام کا نقطۂ نظر ہے۔ اس سے زیادہ وضاحت اس لیے نہیں ہوسکتی کہ تمہارا علم بہت محدود ہے۔

اس مختصر جواب کی تفصیل یہ ہے کہ رُوح کے وجود سے انکار نہیں ہے، لیکن اس کی حقیقت کا اظہار اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا کہ:

۱۔ وہ حادث ہے، اس کا حدوث امرِ رب سے ہوا لہٰذا وہ قدیم نہیں ہے۔

۲۔ اس کی پیدائش اس مادہ سے نہیں ہوئی جس سے انسان اور حیوانات یا جن و شیاطین کی پیدائش ہوئی ہے۔ یعنی وہ مادّی نہیں ہے۔

۳۔ باری تعالیٰ پیدا کرنے یعنی احداث و ابداع میں مادہ کا محتاج نہیں ہے۔ اس کی شان یہ ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (یعنی) جو چیز علم الٰہی میں تھی اس کو خطاب ہوا "کُن!" وہ درجۂ کون میں آگئی۔ یعنی موجود ہوگئی۔

۴- اس کی دوسری تعبیر یہ بھی ہے کہ رُوح کا تعلّق "عالمِ امر" سے ہے، "عالمِ امر" کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ عالَم جو مشاہدہ بالا ہے، شیخ اکبرؒ نے تعریف یہ کی کہ

"ماخلق الله بلا واسطة فهو عالم الامر وما خلق الشئ من الشئ فهو عالم الخلق فالروح من عالم الامر لكونها مخلوقة بلا واسطة بخلاف الجسم فانه من العناصر[1]"

خلقِ سمٰوٰت کے متعلق ارشادِ ربّانی ہے: ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا الخ یعنی خلق سماوات وارض کی صُورت یہ ہُوئی کہ صرف لفظ کُنْ کی بناء پر اُن کا خلق نہیں ہُوا، بلکہ پہلے ایک دُخان تھا، جس کو آج کل کی اصطلاح میں "اسٹیم" یا "ایتھر" کہہ سکتے ہیں۔ آسمان اور زمین کی جو صُورت علمِ الٰہی میں تھی اس کو حکم ہُوا۔ "اِئْتِيَا" وجود میں آجاؤ۔ انھوں نے جواب دیا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ، (ہم آئے خوشی سے) (سورۃ دخان ع-۲)

اسی طرح انس وجن کے متعلق ارشادِ ربّانی ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ

اس طرح پیدائش رُوح کے لیے کسی مادہ کو کام میں نہیں لایا گیا، بلکہ براہِ راست اس صُورت کو جو علمِ الٰہی کے خزانۂ بے پایاں میں تھی حکم ہُوا "کُنْ" پس وہ وجود میں آگئی۔ حضرت علّامہ سُہیلیؒ روض الانف میں فرماتے ہیں کہ

نسبة الملك الى الروح كنسبة البشر الى الملك فكما ان الملائكة ينظرون الينا ولا نراهم كذلك الروح ترى الملائكة ولا يرونها[2]

فرشتوں کو رُوح سے وہی نسبت ہے جو انسان کی فرشتوں سے ہے جس طرح فرشتے ہم کو دیکھتے ہیں اور ہم اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ ویسے ہی رُوح فرشتوں کو دیکھتی ہے، فرشتے رُوح کو نہیں دیکھ سکتے۔

---

[1] فیض الباری ج ۴ ص ۵۲۶ [2] فیض الباری ج ۱ ص ۲۲۲

حاصل یہ کہ جس طرح انسان، جن، فرشتے، علیحدہ علیحدہ مخلوق ہیں۔ ہر ایک کا عالم علیحدہ ہے۔ ایسے ہی رُوح بھی ایک مستقل مخلوق ہے۔ یہ مخلوق ان سب سے بالا ہے کیونکہ بلا توسط براہِ راست "امرِ کُن" سے وجود میں آتی ہے۔

۱۔ انسان مادی ہے، اس کا علم مادیات تک محدود ہے کیونکہ علمِ انسان کا مدار مشاہدہ پر ہے یا اس قیاس اور تجربہ پر جو مشاہدہ ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مشاہدہ سے بالا کا علم تو کیا ہوتا ہے وہاں تک تو پروازِ فکر بھی نہیں پہنچ سکتی، لیکن بہت سے حقائق وہ ہیں جو مشاہدہ سے وراء الوراء ہیں، جیسے خود باری تعالیٰ عزاسمہ یا مثلاً رُوح اور ملائک وغیرہ، ان سب کو قرآن پاک "الغیب" سے تعبیر کرتا ہے اور اس پر ایمان لانا لازم گردانتا ہے۔

رُوح بھی ایسی ہی ایک حقیقت ہے جو "الغیب" میں داخل ہے۔ "الغیب" کی کوئی انتہا نہیں اس کی صرف وہ حقیقتیں انسان کو بتادی گئیں جن پر انسان کی روحانی ترقی اور اخروی نجات کا مدار تھا۔ ان کے علاوہ خدا جانے کتنے حقائق یا عوالم ہیں جن کے نام اور نشان بھی انسان کو معلوم نہیں، کیونکہ وہ اگرچہ رب العالمین کی مربوب ہیں، مگر انسان کی روحانی ترقی اور اس کی اخروی نجات سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ مادہ سے بالا تو درکنار خود مادہ ہی کے سلسلے میں خدا جانے کتنے عالم ہیں جن کا انسان کو علم نہیں، سائنس جدید نے اب کہنا شروع کیا ہے کہ نظامِ شمسی جو ہمارے تمام مشاہدات کا محور ہے ایک نہیں بلکہ خدا جانے کتنے نظام شمسی ہیں۔ حال ہی میں ایک آٹھویں سیّارہ کا انکشاف ہُوا ہے، جس کی روشنی ہمارے آفتاب کی روشنی سے ۶ ملین (۶۰ لاکھ) زائد ہے اور اس کی کرن زمین تک ۲½ کروڑ برس میں پہنچے گی۔ (واللہ اعلم)

۲۔ حضرت حق جل مجدہ کے اسی مختصر جواب "مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" سے عُلماء نے اخذ کیا ہے۔

"ھو جوھر بسیط مجرد لا یحدث الا بمحدث قولہ کن فیکون[1]"

(رُوح ایک بسیط و مجرد جوہر ہے، جس کا وجود و حدوث اللہ تعالیٰ کے قول "کُن" سے ہُوا ہے یعنی اس قول سے جو محدث ہے۔ یعنی جس کلمہ سے اللہ تعالیٰ کائنات کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نہایت شاندار الفاظ استعمال کیے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

"الروح فی الحقیقۃ حقیقۃ فردانیۃ ونقطۃ نورانیۃ"[2]

---

[1] تفسیر کبیر ج ۵ ص ۶۴۳ [2] حجۃ اللہ البالغہ (باب حقیقۃ الروح)

علامہ سیّد محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعریف کی:

"جوهر بسيط مجرد محدث بامر الله تعالىٰ وتكوينه و تاثيره افادة الحيوة للجسد"[1]

اور علامہ موصوف نے امام فخر الدّین رازی کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے:

جوهر قدسی مجرد[2]

ان سب کا حاصل یہ ہُوا کہ "روح" ایک جوہر یعنی ایک حقیقت واقعیہ ہے مادہ سے بالا (مجرد) اللہ کے حکم "کن" سے اس کو جامۂ وجود میسّر آیا۔ اس کی تاثیر یہ ہے کہ وہ جسد (بدن انسانی) میں زندگی پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن یہ تمام اوصاف جو رُوح کے بیان کیے گئے، ان کو اجزاء ماہیت نہیں کہا جا سکتا۔ "جوہر قدسی مجرد" کے سوا جو کچھ بیان کیا گیا وہ جزو ماہیت نہیں، بلکہ خاصیت اور خصُوصیت ہے، جیسے "ضاحك" یا "بادی البشر" انسان کے لیے۔

پس مذکورہ بالا تعریف کو "حد" نہیں کہا جا سکتا، بلکہ منطقی اصطلاح میں اس کو "رسم" کہا جائے گا۔ "حد" (جیسے انسان کی حد حیوانِ ناطق ہے) وہ بھی نامعلوم رہی، کیونکہ اجزاء ماہیت کا علم نہیں ہُوا، کیونکہ انسان میں اجزاء ماہیت کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو جو علم میسّر آیا وہ قلیل ہے۔ مشاہدات سے بالا حقائق کے بیان کے لیے اس کے پاس الفاظ ہی نہیں ہیں۔ جن کا علم بھی انسان کو نہیں ہے ان کے لیے الفاظ کہاں سے آئیں گے؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف نفی سے کرایا، یعنی "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" اس کے علاوہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے متعلق علم ہے کہ حَيٌّ۔ قَيُّومٌ۔ عَلِيْمٌ۔ حَكِيْمٌ قَادِرٌ وغیرہ یہ سب اوصاف ہیں اس کی کنہ اور حقیقت پھر بھی نہ معلوم ہے۔

قابلِ توجہ یہ ہے کہ عُلماء یہود جو امتحان لینے آتے تھے وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اسی جواب سے اتنے مطمئن ہوگئے کہ آپ کے ہاتھ چُومے اور اپنے ایمان نہ لانے کا ایک ایسا عذر پیش کیا جو اگرچہ خود ان کا اختراع کردہ تھا، مگر بہرحال اُن کے نزدیک عذر تھا کہ ہمیں یہ ہدایت ہے کہ ہم اسی نبی پر ایمان لائیں جو بنی اسرائیل میں سے ہے۔

---

[1] روح المعانی ج ۵ ص ۱۵۴ [2] روح المعانی ج ۵ ص ۱۵۲

یا یہ کہ اِنَّ اللّٰہَ عَھِدَ اِلَیْنَآ اَنْ لَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ

(آل عمران ع ۱۹)

(اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اُس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی نہ پیش کر دے جس کو آگ کھا جائے۔)

مقصد یہ ہے کہ عُلماء یہود نے اس جواب کی تردید نہیں کی بلکہ اس جواب کو معیارِ نبوّت سمجھا، جس کا سبب بظاہر یہ ہے کہ خود انبیاء بنی اسرائیل نے رُوح کے متعلّق یہی بتایا تھا، جو آپ نے وحیِ الٰہی کے بموجب بتایا۔

اس کی توجیہ آپ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ جب مذاہب کا تعلّق وحی اور نبوّت سے ہے ان سب کا متفقہ عقیدہ رُوح کے متعلّق یہی ہے کہ "مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" یعنی اس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ عالمِ امر کی ایک حقیقت ہے۔

یہ ہے ارشادِ ربّانی کا اشارہ، اسی کو اسلام کا نقطۂ نظر کہا جا سکتا ہے۔

مشابہتِ رُوح

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ "بدن انسان" میں اس روح کے علاوہ اور بھی کچھ جوہر ہیں جو رُوح سے خاص تعلّق رکھتے ہیں۔ حتّٰی کہ ان کو بھی رُوح کہہ دیا جاتا ہے۔

ان کی وضاحت سیّدنا حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرّہٗ کے بیان سے ہوتی ہے، جس کا مختصر خلاصہ یہاں اُردو میں پیش کیا جا رہا ہے، باب حقیقۃ الروح حجۃ اللہ البالغۃ میں آپ فرماتے ہیں:

یہ بات تو پہلی ہی نظر میں معلوم ہو جاتی ہے کہ "رُوح" مبدأ حیات اور مدارِ زندگی ہے۔ نفخِ رُوح ہوتا تو زندگی شروع ہو جاتی ہے اور بدن سے اس کے جُدا ہو جانے کا نام موت ہے۔ پھر دریافتِ حقیقت کی طرف ذہن متوجّہ ہو جاتا ہے، تو ہمارا احساس سب سے پہلے ایک بخار لطیف (گیس یا اسٹیم) کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جو بدنِ انسانی کے اخلاط کا خلاصہ اور جوہر ہوتا ہے، وہ قلب میں پیدا ہوتا ہے، (سب سے پہلے رحمِ مادر کے اخلاط نے اس کو جنم دیا، پھر یہ انسان کی غذا کے آخری ہضم کا نتیجہ ہوتا ہے) انسان جو کچھ کھاتا پیتا ہے۔ اس کا تدریجی ہضم پہلے اُس کو خُون کی شکل دیتا ہے اور خُون سے یہ جوہرِ لطیف یا بُخارِ لطیف پیدا ہوتا ہے، جس کو رُوح سمجھا جاتا ہے، یہ بدنِ انسانی کی اندرونی قوّتوں مثلاً قوّتِ حاسہ، قوّتِ مدرکہ اور قوّتِ مدبرہ للغذاء کا حامل ہوتا ہے۔

اس بخارِ لطیف کی مختلف کیفیات کا اثران قُوّتوں پر پڑتا ہے اوران قُوّتوں کی مختلف کیفیات اس بخارِ لطیف پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب یہ قُوّتیں اپنا عمل صحیح طور پر نہیں کرتیں تو اس بخار لطیف کے بننے اور پیدا ہونے میں فرق آجاتا ہے۔

انتہا یہ کہ یہ بخارِ لطیف یا سٹیم بُجھ جاتی ہے تو شمع حیات بھی گل ہو جاتی ہے۔

بدن انسانی میں اس بخار لطیف کی مثال ایسی ہے جیسے گلاب کے پھُول میں عرقِ گلاب یا جیسے لکڑی کے کوئلہ میں سلگنے والی آگ، اس رُوح کو "رُوح ہوائی" کہا جاتا ہے۔ اطباء کے زیرِ بحث یہی رُوح ہوتی ہے۔ (اس لیے اس کو "رُوح طبی" بھی کہا جاتا ہے) اس "رُوح طبیّ" کو سمجھ لینے کے بعد ایک سوال ہمارے سامنے آتا ہے، مثلاً "زید" ایک شخص ہے، کیا اسکی حقیقت کا مدار اسی رُوح پر ہے؟ زید بچہ تھا پھر جوان ہُوا، پھر بڑھاپا اس پر چھا گیا، کبھی صحت مند رہا کبھی بیمار پڑ گیا، بچپن میں اس کا قد صرف بیس انچ تھا، وزن پانچ پونڈ، پھر جوان ہُوا تو قد سات فٹ ہوگیا اور وزن دو سو پونڈ، یہ سب تبدیلیاں ہُوئیں، مگر "زید" "زید" ہی رہا، وہ پڑھتا تھا۔ تب بھی "زید" ہی تھا، عالم فاضل ہوگیا تب بھی "زید" ہی رہا، وہ فرش زمین پر بھی "زید" ہی ہے۔ ہوائی جہاز پر پرواز کرتے ہوئے "زید" ہی ہے۔ اور اگر چاند پر پہنچ جائے تب بھی "زید" ہی ہے۔ اس کی شخصیّت میں فرق نہیں آیا، لیکن یہ "رُوح طبی" یا "رُوح ہوائی" ایک اسٹیم ہے، غذا کے آخری ہضم کے بعد وجود میں آتی ہے اور جیسے ہی وجود میں آتی ہے ختم ہو جاتی ہے، تازہ اسٹیم اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اس تسلسل سے یہ حیوانی زندگی باقی ہے مگر اسٹیم ہر آن اور ہر لمحہ بدل رہی ہے۔

ظاہر ہے یہ ہر لمحہ بدلنے والی رُوح آخر عمر تک باقی رہنے والے "زید" کی شخصیّت کا مدار نہیں ہو سکتی، لامحالہ یہاں کوئی اور رُوح ہے جس پر شخصیّت کا مدار ہے، لفظ "نسمہ" جو احادیث میں آیا ہے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک موقع پر فرماتے ہیں۔

والذی خلق الحبة و برأ النسمة (بخاری شریف صـ ۴۲۸) (قسم اس ذات کی جس نے دانے کو پیدا کیا اور نسمہ کو وجود بخشا)

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ یہ رُوح جس پر شخصیّت "زید" کا مدار ہے، یہی "نسمہ" ہے، اب یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ "رُوح ہوائی" سے پیدا ہُوا ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ "رُوح ہوائی" سے اس کا خاص

تعلق ہے۔ پھر جس طرح "رُوح طبی" سارے بدن میں اسی طرح نفوذ کیے ہُوئے ہے جیسے گلاب کے پھُول میں عرق گلاب یا لکڑی کے کوئلہ میں سلگنے والی آگ، پُورے پھُول یا پُورے انگارہ میں سرایت کیے ہُوتے ہے اسی طرح اس "نسمہ" کا اثر بھی پُورے بدن پر ہے۔

شاہ صاحبؒ اپنی مشہور تصنیف "الطاف القدس" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"نسمہ" ایک لطیف جسم ہوتا ہے جس کو "جسم ہوائی" کہا جاتا ہے وہ انسان کے تمام بدن میں سرایت کیے ہُوتے ہوتا ہے وہ فنا نہیں ہوتا، بلکہ موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے [1]

"حجۃ اللہ البالغۃ" میں آپ فرماتے ہیں کہ نسمہ تحلیل ہوتا ہے تو موت طاری ہوجاتی ہے، آپ فرماتے ہیں۔

قد تحقق عندنا بالوجدان الصحیح ان الموت انفکاك النسمۃ عن البدن لفقد استعداد البدن لتولیدھا انفکاك الروح القدسی عن النسمۃ۔

وجدان صحیح سے یہ بات ہمارے نزدیک متحقق ہو گئی ہے کہ موت یہ ہے کہ بدن کی وہ صلاحیت جو "نسمہ" کو جنم دیتی ہے۔ مفقود ہوجاتی ہے، جس وجہ سے "نسمہ" بدن انسانی سے جُدا ہوجاتا ہے، پس بدن سے "نسمہ" کے چھوٹ جانے کا نام موت ہے۔ موت یہ نہیں ہے کہ "رُوحِ قُدسی" نسمہ سے الگ ہوگئی۔

پھر فرماتے ہیں جب مہلک امراض کے نتیجہ میں "نسمہ" تحلیل ہوجاتا ہے تو حکمتِ الٰہیہ اور اس کی قدرت کاملہ یہ لازم گردانتی ہے کہ "نسمہ" کا اتنا وجود ضرور باقی رہے کہ اس سے "رُوح الٰہی" کا تعلق باقی رہ سکے۔ جیسے کہ شیشی کو چوُسا جائے تو چوُس لینے کے بعد کچھ ہوا شیشی میں ضرور باقی رہتی ہے۔ یہ ہوا باقی نہ رہے تو شیشی چٹخ جائے۔ (یہی صورت "نسمہ" کی ہے)

پھر فرماتے ہیں۔

اذا مات الانسان کان للنسمۃ نشأۃ أخری، فینشئ فیض

---

[1] بحوالہ فیض الباری ج ۳ ص ۳۳۴

الروح الالٰہی فیہا قوۃ ۔ الخ [1]

مطلب یہ ہے کہ انسان کی موت کے بعد اس نسمہ میں ایک نئی زندگی (نشاۃ اخرٰی) وجود پذیر ہوتی ہے اور حِس مشترک کا جو حصّہ باقی رہ جاتا ہے۔ "رُوحِ الٰہی" کا فیض اس میں وہ قُوّت پیدا کرتا ہے جو سمع، بصر اور کلام کے لیے کافی ہوسکے اور یہ عالم مثال یعنی اس قوّت کی مدد سے ہوتا ہے جو مجرد اور محسوس کی درمیانی قوّت ہے جو شیٔ واحد کی طرح (فضاء بالا) میں پھیلی ہوئی ہے۔

مختصر یہ کہ بدن میں "رُوح طبی" کے علاوہ ایک اور جوہر ہے جو بدن انسان کی خاص صلاحیت سے وجود میں آتا ہے، موت کے وقت بدن انسان سے جُدا ہوجاتا ہے، مگر فنا نہیں ہوتا، اس درجہ میں اس کا وجود ضرور باقی رہتا ہے کہ "رُوح الٰہی" اور "رُوح قدسی" سے اس کا رابطہ باقی رہ سکے۔

مرنے کے بعد "رُوح الٰہی" کے فیض سے "نسمہ" میں نیا نشو و نما شروع ہوتا ہے اور اس میں وہ قُوّت آجاتی ہے کہ بواسطہ حِس مشترک سمع، بصر اور کلام کے لیے کافی ہوسکے۔

ایک خاص قوّت جو مجرد اور محسوس کی درمیانی کڑی ہوتی ہے۔ بالائی فضا میں پھیلی ہوئی ہے اس کو عالِم مثال کہا جاتا ہے۔ "نسمہ" میں جو قُوّت پیدا ہوتی ہے۔ وہ اسی عالم مثال کا فیض ہوتا ہے۔

"نسمہ" کے بعد ایک حقیقتِ فردانیہ اور نقطۂ روحانیہ ہے جو ان فیوض اور افاداتِ الٰہیہ

رُوح قدسی یا رُوح الٰہی

جو عالم بالا سے "نسمہ" کو عطا ہوتے ہیں۔ روشندان کا کام دیتا ہے جس کا تعلّق "نسمہ" پھر "رُوح طبی" کے واسطہ سے بدن انسانی سے بھی ہوتا ہے۔ اس کو "رُوح حقیقی" یا "رُوح قدسی" یا "رُوح الٰہی" کہا جاتا ہے۔ یہ رُوح ہے کہ قرآن حکیم اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ (واللّٰہ اعلم بالصواب)

حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری

استاذ محترم حضرت علاّمہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کے درس میں موقع بموقع رُوح، نسمہ اور نفس وغیرہ کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، آپ کے یہ افادات فیض الباری کے مختلف صفحات میں منتشر ہیں۔

(ملاحظہ ہو ص ۲۲۲ ج ۱، ص ۳ ج ۳، ص ۱۴۵ ج ۲، ص ۳۳۴ ج ۳، ص ۴۵۲ ج ۳، ص ۵۰۹ ج ۴، ص ۵۲۶ ج ۴)

آپ نے "نسمہ" اور "رُوح" کا یہ فرق بیان فرمایا کہ "نسمہ" کے متعلّق ولادت کا لفظ آیا ہے، مثلاً مامن

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۹ (باب حقیقۃ الروح)

نسمہ" مولودۃ رُوح کے متعلق نفخ اور خلق کا لفظ آیا ہے۔ ولادت کا لفظ نہیں آیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ نفخ کے بعد جب رُوح کا تعلق بدن سے ہوتا ہے تو وہ بدن کے بھی حالات اخذ کر لیتی ہے، اس اخذ و اکتساب کے سبب سے رُوح کے خواص میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔

پھر فرماتے ہیں: ایک ہی چیز ہے، مگر اس کے مراتب مختلف ہیں۔ سب سے کم درجہ وہ ہے جس کو "نسمہ" کہا جاتا ہے۔

"پھر تعلق بدن سے قطع نظر کرکے اس کو باری تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو اُسی کا نام "رُوح" ہوتا ہے۔[۱]

(مزید امتیاز کے لیے اُس کو رُوح الٰہی یا رُوح قدسی کہہ دیا جاتا ہے)

اور یہی رُوح ہے کہ جب اس کا تعلق بدن سے ہوتا ہے تو اس تعلق اور نسبت سے اُس کو نفس کہا جاتا ہے۔ جیسے مثلاً: پانی جب تک الگ ہے پانی ہے اور جب درخت اس کو جذب کر لیتا ہے تو اب اس کو پانی نہیں کہا جاتا، اور پانی کے احکام جواز وضو وغیرہ بھی اس پر نافذ نہیں ہوتے۔[۲]

(لیکن یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ کنوئیں کا پانی جو گلاس میں ہے اور مثلاً تربوز کا پانی ان دونوں کو ایک کہا جائے گا یا الگ الگ تو اگرچہ "رقیق اور سیال" ہونے کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں، لیکن دوسرے اوصاف کا اتنا فرق ہے کہ ان کو ایک کہنا سراسر تکلف ہے) چنانچہ دوسرے موقع پر حضرت موصوف فرماتے ہیں:

رُوح، نسمہ اور ذرہ الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایک ہی حقیقت کی مختلف تفسیریں نہیں ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

ابنِ سینا نے "حیوان" کا ترجمہ "جان" اور "رُوح" کا ترجمہ "رواں" بتایا ہے۔[۳]

بالفاظ دیگر ابن سینا نے "تعریفات الاشیاء" میں "نفس حیوانیہ" کا ترجمہ "رواں" اور "نفس ناطقہ" کا ترجمہ "جان" کیا ہے، پھر یہ بھی ارشاد ہے۔ اِعْلَمْ

---

۱ فیض الباری ص ۵۲۶ ج ۴ ۲ فیض الباری ص ۱۴۵ ج ۲ ۳ فیض الباری ص ۳ ج ۲

ان النسمۃ ترجمۃ "جان"[1]

مستقرِ ارواح علماء کرام کے اقوال اس مسئلہ میں بہت مختلف ہیں[2]

اگر یہ کہا جائے کہ ارواح مومنین کا مستقر علیین ہے اور ارواح کفار کا مستقر سجین ہے تو سوال یہ ہے کہ علیین اور سجین کہاں ہیں۔ اس کے جوابات بھی علماء کرام نے مختلف دیے ہیں۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کی تحقیق اس بارے میں عجیب و غریب ہے اور غالباً سب سے نرالی ہے، حدیث معراج میں ہے کہ سماءِ دنیا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ

عَلٰی یَمینِہٖ اَسْوِدَۃٌ، وَعَلٰی یسارِہٖ اَسْوِدَۃٌ، اِذَا نظرَ قِبَلَ یَمینِہٖ ضَحِكَ، وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِہٖ بَکٰی۔[3]

یعنی بہت سے وجود حضرت آدم کے دائیں اور بہت سے وجود آپ کے بائیں ہیں جب آپ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب آپ کی نظر بائیں جانب مڑتی ہے تو آپ روتے ہیں۔

حضرت علامہ کشمیریؒ دائیں اور بائیں ہی کو علیین اور سجین فرماتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ آخرت میں جہات اور سمتیں بدل جائیں گی۔

فتصیر العالیۃ یمینا والسافلۃ شمالا ولا یبقیٰ ھنالك فوق ولا تحت۔[4]

وہاں فوق اور تحت باقی نہیں رہے گا، بلکہ فوق وہی ہوگا جو حضرت آدم علیہ السلام کے داہنے ہوگا اور تحت وہ جو بائیں ہوگا۔

پھر فرماتے ہیں واقعہ معراج چونکہ ایسے عالم میں ہوا تھا جو عالم آخرت کے مشابہ تھا اس لیے یہاں بھی فوق اور تحت کا مشاہدہ یمین اور یسار سے کرایا گیا ہے۔

---

[1] فیض الباری ج ۳، ص ۴۵۲
[2] ملاحظہ ہو روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۱ تا ۱۶۴
[3] بخاری شریف ص ۵۰۔
[4] فیض الباری ج ۲ ص ۳

پھر آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ

"دُنیا کا یہ پُورا حصّہ دوزخ بن جائے گا اور جنّت کا حلقہ ساتویں آسمان کے اُوپر سے شروع ہوگا،

قرآنِ کریم میں ہے۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوٰى[1]

یعنی جنّت الماوی سدرة المنتہٰی کے قریب ہے اور سدرة المنتہی ساتویں آسمان سے اُوپر ہے یا چھٹے آسمان سے شروع ہوکر ساتویں آسمان کے اُوپر تک پہنچتا ہے۔

(احادیث بخاری و مسلم شریفین)

اور اس کو منتہی اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ عالم بالا اور عالم سافل کے انتہا پر ہے۔ زمین سے صعود کرنے والی چیزیں یہاں تک پہنچ سکتی ہیں آگے نہیں جاسکتیں۔ حتّٰی کہ فرشتے بھی آگے نہیں جاسکتے حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے اسی موقع پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا تھا۔

اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلّی بسوزد پرم

سدرة المنتہی سے بالا مکمّل طور پر الغیب ہے۔ فرشتوں کو بھی اس کا پتہ نہیں۔ (رُوح المعانی وغیرہ)

علیٰ ہٰذا عالَم بالا سے نزول کرنے والی چیزیں پہلے یہاں پہنچتی ہیں

(رُوح المعانی و تفسیر مظہری وغیرہ)

اس توجیہہ کی بنا پر ارواحِ طیّبہ کا مستقر ساتویں آسمان سے اُوپر ہوگا اور ارواحِ خبیثہ کا مستقر سجین ہوگا جو تحت الارض تک پہنچتا ہے۔

لیکن علّامہ ابن قیم رح "کتاب الروح" میں فرماتے ہیں کہ

"اس عالم میں جو قیامت سے پہلے ہے جس کو عالم برزخ کہا جاتا ہے ارواح کا کوئی مستقر نہیں ہے، وہ جہاں چاہیں جاسکتی ہیں اور وہ اپنے خاص مستقر پر

---

[1] فیض الباری ج-۴ ص۱۸۱

حساب کتاب کے بعد پہنچیں گی۔[1]

لیکن یہاں یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ "نسمہ" جو موت کے بعد باقی رہتا ہے۔ اس کا مستقر کیا ہے؟ اس سلسلے میں کسی عالم کی کوئی تحریر احقر کے حقیر مطالعہ میں نہیں آئی البتہ ایک مرتبہ جب احقر نے حضرت علامہ کشمیریؒ سے دریافت کیا تھا کہ آج کل جو ایک فن ایجاد ہوا ہے کہ ارواح کو بلاکر ان سے بات کی جاتی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے؟ تو حضرت علامہ نے اس کے جواب میں ایک مفصل تقریر فرمائی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ عالمِ برزخ کا محل بھی یہی سماء وارض کا علاقہ ہے، یہ رُوحیں اسی عالم میں ہیں۔

حضرت استاذ سے احقر نے دریافت بھی نہیں کیا اور آپ نے تصریح بھی نہیں فرمائی، مگر احقر کا گمان ہے کہ حضرتؒ کے پیشِ نظر ارواح قدسیہ نہیں بلکہ یہ نسمات ہی تھے۔ یہ نسمہ باقی رہتا ہے اور علامہ ابن قیمؒ کی تحریر کے بموجب عذاب وثواب اس کے ساتھ ہی لگا رہتا ہے وہ اسی میں مُبتلا گھومتا پھرتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مثال پاگل کتّے سے دی ہے کہ اس کا شدید مرض ساتھ لگا ہُوا ہے اور وہ گھومتا پھرتا ہے۔ دوسروں کو گزند بھی پہنچاتا ہے۔ ارواح خبیثہ کی مثال یہی ہے، مگر ارواح طیّبہ ایسی حرکتوں سے بالا رہتی ہیں اور اُن کو وہ راحت وسرور حاصل رہتا ہے جس کی پُوری حقیقت آخرت میں ان کے سامنے آئے گی۔ اس کے اثرات یہاں اُن کو عالم برزخ میں پہنچتے رہتے ہیں۔

بہرحال احقر کی ناقص رائے یہی ہے کہ عالم برزخ میں رہنے والا نسمہ ہے اور رُوح کا مستقر عالم بالا ہے۔ جیساکہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ارواح انبیاء کا مستقر اعلیٰ علیین، ارواح شہداء کا مستقر جنّت کے وہ قندیل ہیں جو عرش میں آویزاں ہیں اور عام مومنین کا مستقرِ ارواح جنّت ہے۔[2]

(واللہ اعلم بالصواب)

اور ارواح یعنی نسمات کو بُلانا اور اُن سے گفتگو کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے، عامل حضرات کے یہاں ارواح کو بلانے اور ان سے بات کرنے کا عمل بہت پہلے سے چلا آرہا ہے۔

اہلِ یورپ نے بلانے کے طریقے اپنے طور پر ایجاد کیے ہیں، عامل حضرات سورۂ مزمل وغیرہ پڑھ کر

---

[1] فیض الباری، ج-۳، ص ۱۸۱ [2] روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۱

رُوح کو حاضر کیا کرتے ہیں۔ اس عمل کو عامل حضرات کی اصطلاح میں حاضرات کہا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نفس تحریر بالا میں "رُوح ہوائی"۔ "نسمہ"۔ "ذرہ" اور "رُوح" کا تذکرہ آ گیا، مگر نفس کے متعلق حضرت علامہ کشمیریؒ کی ایک تقریر میں مختصر تذکرہ آیا اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز کی تحریر میں مختصر تذکرہ بھی نہیں ہے حالانکہ قرآن شریف میں نفس کا تذکرہ بہت جگہ ہے اور بڑی اہمیّت کے ساتھ ہے۔ مثلاً مَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ (پارہ ۱۳۔ سورۂ یُوسف) نَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى (سورۂ نازعات) يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ (الفجر)

تو اس کا سبب بظاہر یہ ہے کہ نفس الگ چیز نہیں بلکہ بقول حضرت علّامہ کشمیریؒ روح کا نام ہی نفس ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ رُوح کا تعلق جب بدن سے ہوتا ہے تو اس تعلّق کے لحاظ سے اس کو نفس کہا جاتا ہے۔ ابنِ قیّمؒ بھی اسی کے قائل ہیں اور حضرات صُوفیا بھی۔

اب اس تعلّق کی بنار پر یہی ایک الگ سی چیز بن جاتا ہے، یعنی وہ شان باقی نہیں رہتی جو رُوح مجرد کی ہے۔ (حقیقت فردانیہ ونقطہ روحانیہ) بلکہ "ثُمَّ رَدَدۡنٰهُ اَسۡفَلَ سٰفِلِيۡنَ" کی صُورت ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے تہذیب اور تزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور تہذیب تزکیہ کے لحاظ سے نفس کے چار درجے ہوتے ہیں۔

(۱) تہذیب الظاہر، یعنی صوم و صلوٰۃ وغیرہ فرائض اور احکام شریعت کی پابندی سے اس کا ظاہر مہذّب اور مزکّٰی ہو جائے۔

(۲) تہذیب الباطن کہ ملکات ردیہ اور اخلاق ذمیہ ختم ہو جائیں اور مکارم اخلاق ملکہ اور ذاتی جذبہ بن جائیں۔

(۳) تحلی النفس بالصورۃ القدسیۃ۔

(۴) فنائہا عن ذاتہا، بملاحظۂ جلال رب العالمین جل جلالہ

۳ و ۴ کی تفصیل طویل ہے۔ ہمارے موضوع سے بھی خارج ہے اس کے لیے کُتبِ تصوّف کے مطالعہ کی ضرورت ہے، روح المعانی میں بھی اس کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے، مگر وہ خلاصہ بھی طویل تشریح کا محتاج ہے۔

اس وقت جو کچھ عرض کیا گیا وہ بھی کافی طویل ہوگیا۔ والعلم الصحیح عند اللہ عالم الغیب والشہادۃ۔

(قسط: ۵)

مقاصدِ شریعت

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
تبویب و تزئین: مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ذکر

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ لکھ پتی صحابہ میں ہیں اُن کی تجارت میں حضورؐ نے برکت کی دُعا دی تو کیفیت یہ تھی برکت کی کہ اِن کا مال غیر ممالک میں بھی سپلائی ہوتا تھا، نفع کا روپیہ جب آتا تھا تو یہ نہیں کہ کوئی ایک دو آدمی جیب میں ڈال کر چلے آئیں بلکہ اُونٹوں پہ لد کر آتا تھا اور جب گھر میں رکھنے کے لیے کوئی صندوق پٹارہ نہ رہتا تو تنگ آکر کہتے کہ گھر کے کونے میں ڈھیر لگا دو روپے اشرفی کا ڈھیر اس طرح لگ جاتا تھا کہ جیسے کاشتکار کے گھر میں غلہ کا ڈھیر لگ جاتا ہے کہ زمین سے غلہ آیا اُنھوں نے کہا گھر میں ڈھیر کر دو یہ کیفیت تھی تو دولت اتنی، لیکن اس دولت کے ساتھ قلب کی کیفیت کیا تھی ؟ قلب کی کیفیت یہ تھی کہ مہمان داری تھی چار چار سو مہمان ایک ایک وقت میں ہوتے تھے، دستر خوان بچھتا کئی کئی کھانے اس پہ چُنے جاتے جب دستر خوان چُن دیا گیا مہمان کئی سو بیٹھے اور عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ بیٹھے، اب بیٹھ کر رونا شروع کیا بے اختیار گریہ طاری ہُوا اور کہا کہ اے اللہ! تیرے نبی کے دستر خوان پر تو کبھی ایک سے دوسرا کھانا نہ ہُوا اور عبدالرحمٰن کے دستر خوان پہ اتنے کھانے کہیں میری جنّت کی نعمتیں دُنیا میں ہی تو ختم نہیں کی جا رہیں۔ یہ کہہ کر آبدیدہ ہوتے سارے مہمان روتے اور بے کھائے پیئے دستر خوان اُٹھ جاتا۔ کسی کے اندر یہ ذوق نہ رہتا کہ کھانا کھائیں۔ غمِ آخرت میں مُبتلا ہو گئے، شام کو دستر خوان بچھا بیٹھے اور عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ کو نعمتیں دیکھ کر پھر گریہ طاری ہُوا

اور کہا کہ اے اللہ! تیرے رسول کے چچا حضرت حمزہؓ نے اس حالت میں انتقال فرمایا کہ کفن کے لیے چادر پاس نہیں تھی۔ چھوٹی چادر تھی سر ڈھانپتے تھے تو پیر کھل جاتے تھے۔ پیر ڈھانپتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ آخر کار سر ڈھانپ دیا گیا۔ پیروں پہ گھاس ڈال دی گئی اور قبر میں دفن کر دیا گیا تو عمِ رسول، رسول کے چچا تو اس ناداری میں اور عبدالرحمٰن کے دستر خوان پہ اتنی نعمتیں۔ کہیں میری جنّت دُنیا میں تو ختم نہیں کی جا رہی وہاں میں محروم رہ جاؤں اور مجھے کہہ دیا جائے۔ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا کہ تم نعمتیں ختم کر چکے ہو دُنیا میں اب ہم سے کیا چاہتے ہو، کہیں ایسا تو نہیں ہوگا؟ تو دستر خوان سے بے کھائے اُٹھ جاتے۔ تین تین وقت کے فاقے سے، تو لکھ پتی بھی ہیں اور قلب کا یہ حال ہے تو اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم کماؤ مت یہ کہتا ہے کہ اسے معبود مت بناؤ، مخدوم مت بناؤ اس مال کو گویا قلب کا تعلق قائم کر دیا، تمہاری شان یہ ہونی چاہیے کہ

ع دل بیار دست بکار ہاتھ پیر کاروبار میں لگے ہُوئے ہوں دل یار کے اندر لگا ہُوا ہو۔ ہاتھ پیر دولت میں مصروف اور دلِ اللہ میں مصروف یہ شان ہونی چاہیے مسلمان کی، بھک منگا اور مفلس ہونا مُسلمان کی شان نہیں ہے، غنی ہونا مومن کی شان ہے۔ غنی وہی ہوگا کہ جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہوگا اور پھر وہ بے پروا ہو خَيْرُ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ بہترین غنا یہ کہ نفس غنی بن جائے خزانہ بھرا ہُوا ہے مگر نفس غنی ہے اُسے غنی بن کر جو صرف کرے گا تو ہزاروں کے منافع ہوں گے اس سے تو مفلس بنانا اسلام کا مقصد نہیں ہے غنی بنانا اسلام کا مقصد ہے اور غنی بنانے کے یہ معنیٰ ہیں کہ ساری دولتِ دنیا کو خادم سمجھو۔ مخدوم مت بناؤ، خادم سمجھو ضرورت ہے ضرورت کے لیے آدمی کرتا ہے سب کچھ، کراہت بھی رکھو مگر اُس کے باوجود اُس سے خدمت بھی لو آخر آدمی پاخانہ میں بھی جاتا ہے تو کوئی رغبت سے جاتا ہے کہ اُسے بڑا شوق ہے پاخانہ جانے کا کراہت سے بیٹھتا ہے، مگر جانا بھی ضروری ہے یہ بھی نہیں کر سکتا کہ نہ جائے تو جا رہا ہے ضرور جائے گا بیٹھے گا، مگر کراہت بھی رہے گی۔ اسی طرح سے ہاتھ پیر سے کما بھی رہا ہے۔ سب کچھ ہے مگر کراہت یوں ہے کہ کہیں یہ حارج نہ ہو جائے میری آخرت میں تو چوکنّا رہتا ہے کہ یہ دُشمن بھی ہے کہیں دُشمنی پر آمادہ نہ ہو اُس کی نکیل میرے ہاتھ میں رہنی چاہیے تو حضرات صحابہ اور اہل اللہ کی یہی شان تھی کہ اہل اللہ میں بڑے بڑے مالدار بھی گذرے ہیں لیکن بزرگی میں کوئی فرق نہیں۔ ٹھاٹ دار بھی گزرے ہیں کہ بادشاہوں کے وہ ٹھاٹ

نہیں تھے جو بعض اولیاء کرام کے تھے۔

خواجہ عبید اللہ احرارؒ مسندیں لگی ہوئی ہیں خدّام کھڑے ہوئے ہیں۔ دروازوں پر نقیب ہیں۔ بادشاہِ وقت بھی آنا چاہے تو پہلے وقت لے گا منٹ مقرر ہوں گے تب آسکیں گے۔

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ

حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ نقشبندیہ خاندان کے اولیاء میں سے ہیں اور اکابر اولیاء میں سے ہیں، لیکن مزاج میں لطافت نزاکت تھی تو مسندیں جو سلتی تھیں چھ چھ مہینے میں تیّار ہوتی تھیں۔ کہیں اُونچ نیچ نہ ہوجائے۔ طبیعت میں کوئی تکدُّر نہ پیدا ہو، مسند لگی ہوئی ہے خدام ہیں، بادشاہِ وقت جو مغل ایمپائر کا بادشاہ تھا اُس نے اجازت چاہی تو اجازت نہیں ملتی تھی۔ آخر بادشاہ نے خادم کو ہموار کیا کہ خادم ذرا دل میں گھر کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ اُس کی خوشامد کی کہ مجھے پانچ منٹ کی اجازت دِلا دے۔ خادم نے جب عرض کیا تو اجازت ہُوئی کہ پانچ منٹ کے لیے آجائیں بادشاہِ سلامت، تو مغل بادشاہ آیا بڑے اَدب سے سلام کرکر مؤدّب بیٹھ گیا، چُپ چاپ بیٹھا ہُوا ہے، حضرت مرزا صاحب کو کچھ پیاس معلوم ہوئی تو خادم کھڑا ہوا تھا فرمایا کہ پانی لاؤ، بادشاہ نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں پانی پیش کروں۔ وہ خادم بیٹھ گیا، بادشاہ سلامت پانی لینے کے لیے گئے، گھڑونچی پر گھڑا رکھا ہُوا تھا۔ پانی انڈیل کر اس کے اُوپر جو ڈھانکنے کا کٹورا تھا، وہ ٹیڑھا رکھا گیا، بس تکدر پیدا ہوگیا مزاج میں، جب بادشاہ آیا۔ فرمایا تمہیں پانی پلانا تو آتا نہیں بادشاہت کیا کرتے ہوگے؟

وہ بے چارہ بادشاہ بھی نادم ہُوا، تو بادشاہوں کے وہ کرّ و فر نہیں تھے جو ان اہل اللہ کے تھے اور بزرگی پھر بھی قائم ہے۔

بزرگی کپڑوں کا نام نہیں

تو بزرگی نام کپڑوں کا نہیں ہے کہ پھٹے پُرانے کپڑے والے بزرگ ہوتے ہیں اور جو فاخرہ لباس پہن لیا بزرگی ختم ہوگئی، بزرگی قلب کی صفت ہے بعض دفعہ وہ ریاست کے چولے میں نمایاں ہوتی ہے۔ بعض دفعہ فقر و فاقہ کے چولے میں آتی ہے، نبوّت سے زیادہ بزرگی تو نہیں، لیکن انبیاء میں جہاں

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا زہد

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ہیں کہ جن کے زُہد کا یہ عالم ہے کہ کُل دُنیا سامانوں میں کُل دو چیزیں اُن کے ہاتھ میں تھیں ایک لکڑی کا پیالہ اور ایک چمڑے کا تکیہ جہاں موقع ملا تکیہ رکھا سو گئے جہاں ضرورت پڑی وہ پیالہ ہاتھ میں ہے، اُسی سے وضو کرلیا اُسی میں کھانا کھالیا۔

ایک دفعہ دیکھا کہ ایک شخص کُہنی سر کے نیچے رکھے ہُوئے سو رہا ہے تو کہا اللہ اکبر معلوم ہوتا ہے دُنیا ضرورت سے زائد ہے بلا تکیہ کے بھی کام چل سکتا ہے تو وہ تکیہ بھی پھینک دیا اسی وقت، کُہنی رکھ کر سونے لگے۔ پھر ایک دن دیکھا کہ ایک شخص تالاب میں کھڑا ہُوا نہر میں چُلّو سے پانی پی رہا ہے تو کہا افسوس یہ پیالہ بھی زائد رکھ رکھا ہے بِنا اس کے بھی کام چل سکتا ہے وہ پیالہ بھی اُٹھا کر پھینک دیا تو یہ کیفیّت ہے زُہد کی، اور ترکِ دُنیا کی، ایک طرف تو یہ ہے نُبوّت کی شان اور ایک طرف حضرت یُوسف علیہ السّلام ہیں اور حضرت سُلیمان علیہ السّلام ہیں کہ شاہانہ محلّات ہیں اور تخت شاہی بچھا ہُوا ہے اور جن وانس حاضر ہیں۔ بڑا بھاری دربار ہے اور کرّ وفر اور نُبوّت موجود ہے۔ تو نُبوّت کا تعلّق کپڑوں سے نہیں قلب سے ہے۔ شاہانہ ٹھاٹ میں بھی نُبوّت رہ سکتی ہے اور فقیرانہ لباس میں بھی۔ اسی طرح ولایت شاہانہ لباس میں بھی رہ سکتی ہے اور پھٹے پُرانے کپڑوں میں بھی رہ سکتی ہے تو ولایت اور بزرگی نام کپڑے کا نہیں ہے قلب کے تعلّق مع اللہ کا نام بزرگی ہے، کہیں چولے میں ہوتی ہے ریاست کے اور کہیں چولے میں ہوتی ہے فقر و فاقہ کے، عوام یُوں سمجھتے ہیں کہ بزرگ وہ ہے جو فاقہ مست ہو، نہ لباس پاس کپڑے پھٹے ہُوئے پُرانے وہ ہے بزرگ، لیکن خواص سمجھتے ہیں کہ بزرگی کپڑوں کا نام نہیں۔ قلب کا تعلّق اگر اللہ سے صحیح ہے مضبوط ہے نسبت مضبوط ہے وہ بزرگ ہے لباس کچھ ہی پہن لے، غرض انبیاء کی شانیں بھی الگ الگ ہیں کہ ٹھاٹ بھی ہیں اور فقر و فاقہ بھی ہے، اولیاء کی بھی یہی شانیں ہیں۔

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن جب اہلِ دولت حاضر ہوں گے اور ان کی غفلتیں پیش کی جائیں گی کہ تم نے یہ کیوں نہیں کیا؟ وہ عذر پیش کریں گے کہ آپ نے ہمیں دولت دی تھی کاروبار دیا تھا۔ اب اُس میں لگتے یا ہم مسجد میں بیٹھتے، اُس میں لگتے یا ہم نمازیں پڑھتے اور فرائض ادا کرتے آپ کی دی ہُوئی نعمت تھی اُس میں لگ گئے اُس میں لگنے سے فرائض رہ گئے تو نظیر میں

ایسے اہلُ اللہ اور انبیاء، کو پیش کیا جائے گا کہ جن کو سلطنتیں دی گئی تھیں، فرمائیں گے کہ سلطنت کے کاروبار میں رہ کر بھی ان کی عبادت میں فرق نہیں آیا اور چند ہزار روپے لے کر تمہاری عبادت میں فرق آگیا۔ ان میں کیوں فرق نہیں آیا؟ یہ بھی تو انسان تھے تو حجت تمام کی جائے گی ان لوگوں پہ تو بہرحال حاصل یہ ہے کہ بزرگی نام قلب کی صفت کا ہے۔ بزرگی نام لباس کا نہیں ہے، پیسہ کا نہیں پیسہ کمانے کا نہیں۔

وَفَیَات

گزشتہ ماہ بہت سے خیر خواہان جامعہ کو صدمات پیش آئے۔ جناب محترم ڈاکٹر نعیم الدین صاحب کی اہلیہ محترمہ ۵ اگست کو طویل علالت کے بعد انتقال فرماگئیں۔ مرحومہ بہت ملنسار نرم دل اور عبادت گزار خاتون تھیں جناب کمال الدین صاحب اور جناب حافظ مہتاب الدین صاحب کی والدہ محترمہ جو کہ جناب نُور احمد صاحب کی خوشدامن تھیں گزشتہ ماہ طویل عرصہ معذوری کی حالت میں گزار کر انتقال فرماگئیں۔ بہت ہی پارسا اور گوشہ نشین خاتون تھیں۔ نیز جناب حافظ عبدالرشید صاحب ارشد مالک مکتبہ رشیدیہ کی اہلیہ محترمہ بھی گزشتہ ماہ دماغ میں کینسر کے سبب وفات پاگئیں۔ اسی طرح ایک اور مخلص دوست جناب حافظ مجاہد صاحب کے جوان سال بھتیجے بھی مختصر بیماری کے بعد وفات پاگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اغفرلنا ولھم۔

کارکنان ادارہ مذکورہ تمام سوگواران کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور بارگاہِ رب العزت میں دُعاگو ہیں کہ وہ اُن کی مغفرت فرماکر اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقامات سے سرفراز فرمائے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ جامعہ میں جملہ مرحومین کے لیے قرآن خوانی کے بعد ایصالِ ثواب کیا گیا اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ قارئین کرام سے بھی مرحومین کے لیے دُعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

(قسط ۳)

الخلیفۃ المہدی فی الاحادیث الصحیحہ

تالیفِ لطیف

المحدث النبیل و المجاہد الجلیل شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

تقدیم، تعلیق، تحشیہ

مولانا حبیب الرحمن صاحب قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

(۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی ثَنَا مَعَاذُ بْنُ هِشَامٍ ثَنِیْ اَبِیْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ صَالِحٍ اَبِی الْخَلِیْلِ عَنْ صَاحِبٍ لَّه عَنْ اُمِّ سَلْمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَازَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَکُوْنُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِیْفَةٍ فَیَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ هَارِبًا اِلٰی مَکَّةَ فَیَأْتِیْهِ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ مَکَّةَ فَیُخْرِجُوْنَه وَهُوَکَارِهٌ فَیُبَایِعُوْنَه بَیْنَ الرُّکْنِ وَالْمَقَامِ وَیُبْعَثُ اِلَیْهِ بَعْثٌ مِّنَ الشَّامِ فَیُخْسَفُ بِهِمْ بِالْبَیْدَاءِ بَیْنَ مَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ فَاِذَا رَأَی النَّاسُ ذٰلِكَ اَتَاهُ اَبْدَالُ(۱) الشَّامِ وَعَصَائِبُ(۲) اَهْلِ الْعِرَاقِ فَیُبَایِعُوْنَه ثُمَّ یَنْشَؤُرَجُلٌ مِّنْ قُرَیْشٍ اَخْوَالُه کَلْبٌ فَیَبْعَثُ اِلَیْهِمْ بَعْثًا فَیَظْهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ وَ ذٰلِكَ کَلْبٌ وَالْخَیْبَةُ لِمَنْ لَّمْ یَشْهَدْ غَنِیْمَةَ کَلْبٍ

۹-۱۰-۱۱۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد نقل کرتی ہیں کہ ایک خلیفہ کی وفات کے وقت (نئے خلیفہ کے انتخاب پر مدینہ کے مسلمانوں میں) اختلاف ہوگا ایک شخص (یعنی مہدی اس خیال سے کہ کہیں لوگ مجھے نہ خلیفہ بنا دیں) مدینہ سے مکّہ چلے جائیں گے۔ مکّہ کے کچھ لوگ (جو انہیں بحیثیت مہدی کے انہیں پہچان لیں گے) ان کے پاس آئیں گے اور انھیں (مکان) سے باہر نکال کر حجرِ اسود و مقام ابراہیم کے درمیان ان سے بیعت (خلافت) کرلیں گے (جب ان کی خلافت کی خبر عام ہوگی) تو ملکِ شام سے ایک لشکر ان سے جنگ کے لیے روانہ ہوگا (جو آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی) مکّہ و مدینہ کے درمیان بیداء (چٹیل میدان) میں زمین کے اندر دھنسا دیا جائے گا (اس عبرت خیز ہلاکت کے بعد) شام کے ابدال اور عراق کے اولیاء آکر آپ سے بیعتِ

---

(۱) الابدال: قوم من الصالحین لا تخلو الدنیا منهم، اذا مات واحد منهم ابدل الله تعالی مکانه بآخر والواحد بدل : مجمع البحار ج ۱ ص ۸۱ - وقال الشیخ المحقق عبد الفتاح ابو غدة فی تعلیقه علی "المنار المنیف" ص ۱۳۷ وقد شغلت مسألة الابدال فی العصور المتأخرة کثیرا من العلماء فاطالوا الکلام فیها وافردها بعضهم بالتالیف کما تری السخاوی فی المقاصد الحسنة قد اطال فیها ص۸ — ۱۰ وافردها بجزء سماه"نظام الآل علی الأبدال" وکذلك معاصره السیوطی اطال فیها فی"اللآلی المصنوعة ۲/ ۳۳۰-۳۳۲ ثم قال وقد جمعت طرق هذا الحدیث کلها فی تالیف مستقل فاغنی عن سوقها هنا وتالیفه هو الخبر الدال علی وجود القطب والأوتاد والنجباء والأبدال وهو مطبوع فی ضمن کتابه الحاوی للفتاوی، وساق ابن القیم هذا الخبر ص ۱۴۴ وصححه بینما هو فی ص۱۳۶ قد عد احادیث الأبدال کلها من الأحادیث الباطلة وهذا التعمیم خطاء والصواب ان معظمها باطل ولیس کلها ولا سیما وقد صح هو حدیث منها (حاشیة عقد الدرر ص ۱۳۹) .

←

فَيَقْسِمُ الْمَالَ وَيَعْمَلُ فِى النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ يُلْقِى الْاِسْلَامُ بِجِرَانِهٖ اِلَى الْاَرْضِ فَيَلْبَثُ سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ يُتَوَفّٰى وَيُصَلِّىْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ قَالَ اَبُوْدَاوٗد وَ قَالَ بَعْضُهُمْ عَنْ هِشَامٍ تِسْعَ سِنِيْنَ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ سَبْعَ سِنِيْنَ -

(۱۰) ثُمَّ قَالَ حَدَّثَنَا هَارُوْنُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَا عَبْدُالصَّمَدِ عَنْ هَمَّامٍ عَنْ قَتَادَةَ بِهٰذَالْحَدِيْثِ قَالَ تِسْعَ سِنِيْنَ قَالَ غَيْرُ مُعَاذٍ عَنْ هِشَامٍ تِسْعَ سِنِيْنَ -

(۱۱) حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ ثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ قَالَ اَبُوالْعَوَّامِ نَا قَتَادَةُ عَنْ اَبِى الْخَلِيْلِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ عَنْ اُمِّ سَلْمَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَ الْحَدِيْثِ وَحَدِيْثُ مُعَاذٍ اَتَمُّ الخ(۱)

اَقُوْلُ هٰذَالْحَدِيْثُ بِالطُّرُقِ الثَّلَاثَةِ فِىْ غَايَةٍ مِّنَ الْقُوَّةِ وَالصِّحَّةِ فَاِنَّ مُحَمَّدَ(۲) بْنَ الْمُثَنّٰى هُوَالْعَنَزِىُّ اَبُوْ مُوْسٰى الزَّقِّىُّ الْبَصْرِىُّ الْحَافِظُ اَخْرَجَ لَهُ السِّتَّةُ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى حُجَّةٌ(۳) - وَاَمَّا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ فَهُوَ الدَّسْتُوَائِىُّ الْبَصْرِىُّ نَزِيْلُ الْيَمَنِ اَخْرَجَ لَهُ السِّتَّةُ ، وَاَمَّا اَبُوْهُ فَهُوَ هِشَامُ(۴) بْنُ اَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ

خلافت کریں گے - بعدازاں ایک قریشی النسل شخص (یعنی سفیانی) جس کی ننھال قبیلہ کلب میں ہو گی خلیفہ مہدی اور اُن کے اعوان و انصار سے جنگ کے لیے ایک لشکر بھیجے گا - یہ لوگ اس حملآور لشکر پر غالب ہوں گے یہی (جنگ) کلب ہے اور خسارہ ہے اس شخص کے واسطے جو کلب سے حاصل شُدہ غنیمت میں شریک نہ ہو (اس فتح و کامرانی کے بعد) خلیفہ مہدی خُوب داد و دہش کریں گے اور لوگوں کو ان کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پر چلائیں گے اور اسلام مکمّل طور پر زمین میں مستحکم ہو جائے گا (یعنی دُنیا میں پُورے طور پر اسلام کا رواج و غلبہ ہو گا) بحالتِ خلافت مہدی دُنیا میں سات سال اور دوسری روایات کے اعتبار سے نو سال رہ کر فوت ہو جائیں گے اور مُسلمان ان کی نماز جنازہ ادا کریں گے - (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۸۹)

---

(۲) العصائب جمع عصابة وهم الجماعة من الناس من العشرة الى الأربعين لاواحد لها من لفظها وقيل اريد جماعة من الزهاد سماهم العصائب (النهاية) جران : باطن العنق ومعناه قر قراره واستقام كما ان البعير اذا برك واستراح مد عنقه على الأرض.

(۱) سنن ابى داؤد كتاب المهدى ج ۲ ص۵۸۹.

(۲) محمد بن المثنى بن عبيد بن قيس العنزى بفتح العين والنون خلاصة التذهيب ص ۳۵۷.

بْنِ سَنْبَرِ الدُّسْتَوائِیُّ اَبُوْ بَکْرِنِ الْبَصرِیُّ اَخرجَ لَه السِّتَّةُ وَاَمَّاقَتَادَةُ فَهُوَ ابْنُ دِعَامَةَ السَّدُوْسِیُّ اَبُوْالْخَطَّابِ الْبَصرِیُّ اَلْاَکْمَهُ اَحَدُالْاَئِمَّةِ الْاَعْلَام اَخْرَجَ لَهُ السِّتَّةُ -

وَاَمَّا صَالِحُ(۱) اَبُوْالْخَلِیْلِ فَهُوَابْنُ اَبِیْ مَرْیَم الضَّبْعِیُّ اَبُوالْخَلِیْلِ الْبَصرِیُّ اَخرجَ لَه السِّتَّةُ وَاَمَّا صَاحِبُه فَهُوَ عَبْدُاللّٰه بْنُ الْحَارِثِ بْن نَوْفَلٍ وَقَدصَرَّحَ به فِی الرِّوَایَةِ اِحْدٰی عشَر وَنصَّ عَلَیْه فِیْ کُتُبِ الرِّجَالِ وَهٰذَا عَبْدُاللّٰه(۲) بْنُ الْحَارِث مِنْ اَوْلَادِ الصَّحَابَة حَنَّکَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَخْرَجَ لَهُ السِّتَّةُ وَثَّقَهُ ابْنُ مَعِیْنٍ وَغَیْره فَالْحَدِیْثُ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ وَالْاَرْبَعَةِ فِیْ غَایَةٍ مِّنَ الْجَوْدَةِ وَالصِّحَّةِ وَهٰکَذَا الطَّرِیْقَانِ اللَّذَانِ بَعْده وَاللّٰهُ اَعْلَمُ -

---

ضروری وضاحت

"ابدال" بدل کی جمع ہے۔ ابدال اولیائے کرام کی اس جماعت کو کہتے ہیں جن کا بدل اللہ تعالیٰ پیدا کرتا رہتا ہے۔ دنیا اُن کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوتی۔ ایک کی وفات ہوتی ہے اور دوسرا اُس کی جگہ آجاتا ہے۔ تبادلہ کے اسی غیر منقطع سلسلہ کی بناء پر اُنھیں ابدال کہا جاتا ہے۔ ابدال کے بارے میں امام سخاویؒ نے "مقاصدِ حسنہ" میں طویل کلام کیا ہے۔ اسی طرح امام سیوطیؒ نے اللآلی المصنوعہ میں بسوط بحث کی ہے۔ علاوہ ازیں ایک مستقل رسالہ بھی اس موضوع پر لکھا ہے جو ان کے فتاوٰی الحاوی میں شامل ہے۔ ابدال سے متعلق اگرچہ اکثر روایتیں غیر معتبر اور بے اصل ہیں، لیکن بلاشبہ بعض روایتیں صحیح بھی ہیں چنانچہ پیشِ نظر روایت صحیح ہے اور اس میں بصراحت ابدال کا ذکر موجود ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے اس سلسلہ کی روایتوں کو سرے سے باطل قرار دے دیا ہے۔ ان کا قول صحت سے بعید ہے۔

---

(۳) معاذ بن هشام بن سنبر الدستوائی قال ابن معین صدوق لیس بحجة وقال ابن عدی له حدیث کثیر ربما یغلط وارجو انه صدوق خلاصة التذهیب ص۳۸۰ وفی تقریب التهذیب ص ۲۴۸ صدوق ربما وهم من التاسعة مات سنة مأتین.

(۴) هشام بن ابی عبدالله بن سنبر الدستوائی ابوبکر البصری کان یبیع الثیاب التی تجلب من دستواء فنسب الیها قال علی بن الجعد سمعت شعبة یقول کان هشام احفظ منی واعلم عن قتادة وقال البزار الدستوائی احفظ من ابی هلال - تهذیب التهذیب ج۱۱ ص ۴۰-۴۱.

(۱) صالح ابو الخلیل ابن ابی مریم الضبعیُّ مولاهم وثقه ابن معین والنسائی، تقریب التهذیب ص ۱۱۲ وخلاصة التذهیب ص ۱۷۱.

(۲) عبد الله بن الحارث بن نوفل بن الحارث بن عبد المطلب بن هاشم الهاشمی ابو محمد المدنی لقبه ببّه قال ابن معین وابو زرعة والنسائی ثقة وقال ابن عبد البرفی الاستیعاب اجمعوا علی انه ثقة وقال ابن حبان هو من فقهاء اهل المدینة - تهذیب التهذیب ج۵ ص ۱۵۷ - ۱۵۸.

(۱۲) قَالَ اَبُوْ دَاودَ وَ حُدِّثْتُ عَنْ هَارُوْنَ بْنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ نَا عَمْرُو بْنُ اَبِیْ قَيْسٍ عَنْ شُعَيْبِ بْنِ خَالِدٍ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ قَالَ قَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَنَظَرَ اِلٰی ابْنِهِ الْحَسَنِ فَقَالَ اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَيِّدٌ كَمَا سَمَّاهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ سَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهٖ رَجُلٌ لَيُسَمّٰی بِاسْمِ نَبِيِّكُمْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشْبِهُهٗ(۱) فِی الْخُلُقِ وَلَا يُشْبِهُهٗ فِی الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةً يَمْلَاءُ الْاَرْضَ عَدْلًا الخ(۲)

اَقُوْلُ اَمَّا هَارُوْنُ (۳) بْنُ الْمُغِيْرَةِ فَهُوَ الْبَجَلِیُّ اَبُوْ حَمْزَةَ الرَّازِیُّ قَالَ جَرِيْرٌ لَا اَعْلَمُ لِهٰذِهِ الْبَلْدَةِ اَصَحُّ حَدِيْثًا مِنْهُ وَقَالَ النَّسَائِیُّ كَتَبَ عَنْهُ يَحْيٰی بْنُ مَعِيْنٍ وَقَالَ صَدُوْقٌ وَقَالَ الْاٰجُرِیُّ عَنْ اَبِیْ دَاودَ لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ هُوَ فِی الشِّيْعَةِ وَذَكَرَ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ وَقَالَ رُبَّمَا اَخْطَأَ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ عَنْ يَحْيٰی بْنِ مَعِيْنٍ شَيْخٌ صَدُوْقٌ ثِقَةٌ وَقَالَ السُّلَيْمَانِیُّ فِيْهِ نَظَرٌ اَخْرَجَ لَهٗ اَبُوْدَاودَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَمَّا عَمْرُو بْنُ(۴) اَبِیْ قَيْسٍ فَهُوَالرَّازِیُّ الْاَزْرَقُ الْكُوْفِیُّ نَزَلَ الرَّیَّ قَالَ عَبْدُ الصَّمَدِبْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ الْمُقْرِیُّ دَخَلَ الرَّازِيُّوْنَ عَلَی الثَّوْرِیِّ فَسَأَلُوْهُ الْحَدِيْثَ فَقَالَ اَلَيْسَ عِنْدَكُمْ الْاَزْرَقُ يَعْنِیْ عَمْرُوبْنَ اَبِیْ قَيْسٍ وَقَالَ الْاٰجُرِیُّ عَنْ اَبِیْ دَاودَ فِیْ حَدِيْثِهٖ خَطَأٌ وَقَالَ فِیْ مَوْضِعٍ لَا بَأْسَ بِهٖ وَذَكَرَ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ -

---

(۱۲) ابو اسحاق السبیعی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے برخوردار حضرت حسن رضؓ کو دیکھتے ہوئے کہا میرا یہ بیٹا سید ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سید نامزد کیا ہے۔ اس کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا اس کا نام وہی ہوگا جو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے۔ (یعنی اس کا نام محمد ہوگا) سیرت و اخلاق میں (میرے بیٹے) حسن رضؓ کے مشابہ ہوگا اور شکل و صورت میں اس کے مشابہ نہ ہوگا۔ اس کے بعد پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا کہ یہ شخص زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۵۸۹)

تنبیہ "یشبھہ فی الخُلق ولا یشبھہ فی الخلق" کا ترجمہ بعض حضرات نے یہ کیا ہے کہ وہ سیرت و اخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے اور شکل و صورت

---

(۱) ای یشبہ فی السیرۃ ولا یشبہ فی الصورۃ.

(۲) سنن ابی داؤد کتاب المھدی ج ۲ ص ۵۸۹ - قال المنذری ھذا حدیث منقطع لان ابا اسحاق السبیعی فی سندہ رأی علیا رؤیۃ - مختصر سنن ابی داؤد ۱۶۲/۶ تعلیق عقد الدرر ۸۲.

(۳) ھارون بن المغیرۃ بن حکیم البجلی الرازی ، تھذیب التھذیب ج ۱۱ ص ۱۲.

(۴) عمرو بن ابی قیس الرازی الأزرق، تھذیب التھذیب ج ۸ ص ۸۲.

وَقَالَ ابْنُ شَاهِينٍ فِى الثِّقَاتِ قَالَ عُثْمَانُ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ لَابَأْسَ بِهٖ كَانَ يَهِمُ فِى الْحَدِيْثِ قَلِيْلًا وَ قَالَ اَبُوْبَكْرِ ن الْبَزَّارُ فِى السُّنَنِ مُسْتَقِيْمُ الْحَدِيْثِ اَخْرَجَ لَهُ الْبُخَارِىُّ تَعْلِيْقًا وَالْاَرْبَعَةُ - وَاَمَّا شُعَيْبُ بْنُ خَالِدٍ(۱) فَهُوَالْبَجَلِىُّ الرَّازِىُّ كَانَ قَاضِيًا الْمَجُوْسَ وَالدَّهَاقِيْنَ وَعَنْبَسَةُ بْنُ سَعِيْدٍ قَاضِى الْمُسْلِمِيْنَ وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ حَفِظَ مِنَ الزُّهْرِىِّ وَ مَالِكٍ شَابًّا وَقَالَ النَّسَائِىُّ لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ وَذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِى الثِّقَاتِ وَقَالَ الدُّوْرِىُّ عَنِ ابْنِ مَعِيْنٍ لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ وَقَالَ الْعِجْلِىُّ رَازِىٌّ ثِقَةٌ اَخْرَجَ لَهُ اَبُوْدَاوٗدَ - وَاَمَّا اَبُوْ اِسْحٰقَ فَالظَّاهِرُ اَنَّهُ السَّبِيْعِىُّ(۲) الْمَعْرُوْفُ بِالْعَدَالَةِ وَالْعِلْمِ اَحَدُالْاَئِمَّةِ الْاَعْلَامِ اَخْرَجَ لَهُ السِّتَّةُ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ هُوَ فَاَمَّا اَنْ يَّكُوْنَ الشَّيْبَانِىَّ اَوِالْمَدَنِىَّ وَكِلَا هُمَا مِنَ الثِّقَاتِ الْمُعْتَبَرِيْنَ اَخْرَجَ لَهُمَا السِّتَّةُ وَاَمَّا غَيْرُ هٰؤُلَاءِ فَلَيْسُوْا مِنْ هٰذِهِ الطَّبَقَةِ وَلَمْ يُخْرِجْ اَبُوْدَاوٗدَ حَدِيْثَهُمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَالْحَاصِلُ اَنَّ الْحَدِيْثَ صَحِيْحٌ جَيِّدٌ اِسْنَادُهٗ اِنْ ثَبَتَ لِقَاءُ اَبِىْ دَاوٗدَ بِهَارُوْنَ وَاِلَّا فَالْحَدِيْثُ مُعَلَّقٌ يَصِحُّ الْاِحْتِجَاجُ بِهٖ عَلٰى رَأْىِ مَنْ يَرَى الْاِرْسَالَ حُجَّةً -

وَقَالَ الْاِمَامُ الْحَافِظُ الْحُجَّةُ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ الْحَاكِمُ فِىْ مُسْتَدْرَكِهٖ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى

(۱۳) ذَكَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِاِسْنَادِهٖ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبَايِعُ رَجُلٌ مِّنْ اُمَّتِىْ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ كَعِدَّةِ اَهْلِ

میں مشابہ نہیں ہوں گے۔ اس ترجمہ میں یشبھہ کی ضمیر مفعول کی نبی علیہ السلام کی جانب راجع کیا ہے، لیکن میرے نزدیک یہ ترجمہ درست نہیں ہے کیونکہ ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ خلیفہ مہدی شکل وصورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے۔ اس لیے اس حدیث کے پیشِ نظر مفعول کی ضمیر کا مرجع بجائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت حسن رضی ہی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۱۳) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری اُمّت کے ایک شخص (مہدی) سے رکنِ حجر اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان اہلِ بدر کی تعداد کے مثل (یعنی ۳۱۳) افراد بیعت خلافت کریں گے۔ بعدازاں اس خلیفہ کے پاس عراق کے اولیاء اور شام کے ابدال آئیں گے: بیعت خلافت کی خبر مشہور ہو جانے پر) اس خلیفہ سے جنگ کے لیے ایک لشکر شام سے روانہ ہوگا یہاں تک کہ یہ لشکر جب (مکہ مدینہ کے درمیان) بیداء میں پہنچے گا۔ زمین کے اندر دھنسا دیا جائے گا۔

---

(۱) شعيب بن خالد البجلى الرازى، تهذيب التهذيب ج ٤ ص ٣٠٨.

(۲) هو السبيعى كماجزم به المنذرى فى مختصر سنن ابى داود ابو اسحاق السبيعى الكوفى هو عمرو بن عبد الله بن عبيد ويقال على ويقال ابن ابى شعيرة روى عن على بن ابى طالب والمغيرة بن شعبة وقد رآهما وقيل لم يسمع منهما " تهذيب التهذيب ج ٨ ص ٥٦.

بِدْرٍ فَيأْتِيه عَصَبُ الْعِرَاقِ وَابْدَالُ الشَّام فَيأْتِيهِمْ جَيْشٌ مِنَ الشَّام حَتّٰى اِذاكَانُوْا بِالْبَيْدَاءِ خُسِفَ بِهِمْ ثُمَّ يَسِيْرُ اِلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ اَخْوالُه كَلْبٌ فَيَهْزِمُهُمُ اللّٰهُ قَالَ وَكَانَ يُقَالُ اِنَّ الْخَائِبَ يَوْمَئِذٍ مَنْ خَابَ مِنْ غَنِيْمَةِ كَلْبٍ(۱)

(۱٤) وَبِاِسْنَادِه عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمَحْرُوْمُ مَنْ حُرِمَ غَنِيْمَةَ كَلْبٍ وَلَوْعِقَالاً وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِه لَتُبَاعَنَّ نِسَاءُهُمْ عَلٰى دَرَجِ دِمَشْقَ حَتّٰى تُرَدُّالْمَرْأَةُ مِنْ كَسْرٍ يُوْجَدُ لِسَاقِهَا قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِوَلَمْ يُخَرِجَاهُ(۲)

اس کے بعد ایک قریشی النسل جس کی ننھال کلب میں ہوگی۔ (مراد سفیانی) چڑھائی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی شکست دے گا۔ آنحضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ اس وقت کہا جائے گا آج کے دن وہ شخص خسارے میں رہا جو کلب کی غنیمت سے محروم رہا۔ (مستدرک ج ۴ ص ۴۳۱)

(۱۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ محروم وہ شخص ہے جو کلب کی غنیمت سے محروم رہا۔ اگرچہ ایک عقال ہی کیوں نہ ہو۔ اس ذات پاک کی قسم جس کی قدرت میں میری جان ہے۔ بلاشبہ کلب کی عورتیں (بحیثیت لونڈی کے) دمشق کے راستے پر فروخت کی جائیں گی یہاں تک کہ (ان میں سے) ایک عورت پنڈلی ٹوٹی ہونے کی بنار پر واپس کر دی جائے گی۔

مطلب یہ ہے کہ جو شخص خلیفہ مہدی کے زیر قیادت سفیانی کے لشکر سے جس میں غالب اکثریت قبیلۂ کلب کے سپاہیوں کی ہوگی جنگ نہیں کرے گا اور اُن کے مال کو بطورِ غنیمت حاصل نہیں کرسکے گا۔ خواہ وہ مال مثل عقال کے معمولی قیمت ہی کا کیوں نہ ہو وہ دین و دُنیا دونوں ہی کے اندر خسارہ میں رہے گا کہ جہاد کے ثواب سے بھی محروم رہا اور مالِ غنیمت بھی حاصل نہ کرسکا۔ بعد ازاں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خلیفہ مہدی کی کامیابی کی بشارت سُنائی کہ اُن کا لشکر سفیانی کی فوج پر غالب ہوگا اور ان کی عورتوں کو جو غنیمت میں حاصل ہوں گی فروخت کرے گا۔

---

(۱) المستدرك للحاكم مع تلخيص للذهبى ج ٤ ص ٤٣١ وفى سنده ابو العوام عمران القطان قال الذهبى ضعفه غير واحد وكان خارجيا وقال الهيثمى فى الصحيح طرف منه ورواه الطبرانى فى الكبير والأوسط باختصار وفيه عمران القطان وثقه ابن حبان وضعفه جماعة وبقية رجاله رجال

←

(۱۵) وَبِاسْنَادِہٖ اِلیٰ عُبَیْدِ اللّٰہِ بْنِ الْقِبْطِیَّةِ قَالَ دَخَلَ الْحَارِثُ بْنُ اَبِیْ رَبِیْعَةَ وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ صَفْوَانَ وَاَنَا مَعَهُمَا عَلیٰ اُمِّ سَلْمَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا فَسَأَلَاهَا عَنِ الْجَیْشِ الَّذِیْ یُخْسَفُ بِهٖ وَکَانَ ذٰلِکَ فِیْ اَیَّامِ ابْنِ الزُّبَیْرِ فَقَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَعُوْذُ عَائِذٌ بِالْحَرَمِ فَیُبْعَثُ اِلَیْهِ بِجَیْشٍ فَاِذَا کَانُوْا بِبَیْدَاءَ مِنَ الْاَرْضِ خُسِفَ بِهِمْ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ بِمَنْ یُخْرَجُ کَارِهًا قَالَ یُخْسَفُ بِهِمْ مَعَهُمْ وَلٰکِنَّهٗ یُبْعَثُ عَلیٰ نِیَّتِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَعُوْذُ عَائِذٌ بِالْبَیْتِ قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ رَحِمَهُ اللّٰہُ صَحِیْحٌ عَلیٰ شَرْطِهِمَا وَ وَافَقَهُ الذَّهَبِیُّ رَحِمَهُ اللّٰہُ تَعَالیٰ (۱)

(۱۶) وَبِاسْنَادِہٖ عَنِ النَّبِیِّ اَنَّهٗ قَالَ، لَا تَذْهَبُ الْاَیَّامُ وَاللَّیَالِیْ حَتّٰی یَمْلِکَ رَجُلٌ

---

(۱۵) عبید اللہ بن القبطیہ بیان کرتے ہیں کہ حارث بن ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے میں بھی ان دونوں حضرات کے ساتھ تھا۔ ان دونوں حضرات نے حضرت ام المؤمنین سے اس لشکر کے بارے میں پوچھا جو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب عبدالملک بن مروان بن الحکم نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پر چڑھائی کی تھی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کے جواب میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایک پناہ لینے والا حرم کعبہ میں پناہ گزیں ہوگا۔ تو اس پر ایک لشکر حملہ کے لیے چلے گا اور جب مقام بیدار میں پہنچے گا تو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ بعض وہ لوگ جو مجبوراً ان کے ہمراہ ہو گئے ہوں گے (آخر وہ کس جرم میں) دھنسائے جائیں گے تو آپ نے فرمایا، یہ لوگ بھی ان کے ساتھ ہی دھنسا دیے جائیں گے۔ البتہ قیامت کے دن اُن کی نیت و ارادہ کے مطابق ان کا حشر ہوگا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور تاکید کے دوبارہ فرمایا پناہ لینے والا پناہ لے گا۔ (مستدرک ج ۴ ص ۴۲۹)

→

الصحیح (مجمع الزوائد باب ماجاء فی المهدی) وعمران القطان ایضا ثقة ان شاء الله تعالی کما حققه الشیخ فی روایة رقم ۹ مع هذا له مشاهد قویة.

(۲) المستدرک مع التلخیص ج ٤ ص ٤٣١ - ٤٣٢ وقال الذهبی فی تلخیصه صحیح.

(۱) المستدرک مع التلخیص ج ٤ ص ٤٢٩.

مِنْ اَهْلِ بَيْتِى يُوَاطِى اسْمُهُ اِسْمِىْ وَاسْمُ اَبِيْهِ اسْمَ اَبِىْ فَيَمْلَأُ الْاَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلاً كَمَامُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا - قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ وَ وَافَقَهُ الذَّهَبِىُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ (١)

(١٧) وَبِاِسْنَادِهٖ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ اَبَاقَتَادَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُبَايَعُ رَجُلٌ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَلَنْ يَّسْتَحِلَّ هٰذَا الْبَيْتَ اِلَّا اَهْلُهٗ فَاِذَا اسْتَحَلُّوْهُ فَلَاتَسْئَلْ عَنْ هَلَكَةِ الْعَرَبِ ثُمَّ تَجِيْءُ الْحَبْشَةُ فَتُخَرِّبُ خَرَابًا لَايُعْمَرُ بَعْدَهٗ اَبَدًا وَهُمُ الَّذِيْنَ يَسْتَخْرِجُوْنَ كَنْزَهٗ- قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ وَ وَافَقَهُ الذَّهَبِىُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ (٢)

---

(۱۶) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا دُنیا کے روز و شب ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے اہلِ بیت سے ایک شخص خلیفہ ہوگا جس کا نام اور ولدیت میرے نام اور ولدیت کے مطابق ہوگی (یعنی اس کا نام محمّد بن عبداللہ ہوگا) جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ (مستدرک ج ۴ ص ۴۴۲)

(۱۷) حضرت ابو ہریرہ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ایک شخص (مہدی) سے حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان بیعت (خلافت) کی جائے گی اور بیت اللہ کی حرمت وہیں کے لوگ پامال کریں گے اور جب یہ پامالی ہوگی تو اس وقت اہلِ عرب کی ہمہ گیر ہلاکت ہوگی۔ بعد ازاں حبشی قوم چڑھائی کرے گی اور کعبۃ اللہ کو بالکل ویران کردے گی۔ اس ویرانی کے بعد یہ کبھی آباد نہ ہوگا۔ یہی حبشی اس کا (مدفون) خزانہ نکال کرلے جائیں گے۔ (مستدرک ج ۴ ص ۴۵۲)

---

(١) المستدرك مع التلخيص ج٤ ص ٤٤٢ قال الامام الحاكم وانه لولى من هذا الحديث (الذى مر ذكره) ذكره فى هذا الموضع حديث سفيان الثورى وشعبة وزائدة وغيرهم من ائمة المسلمين عن عاصم بن بهدلة عن زر بن حبيش عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال لاتذهب الايام والليالى الخ وقال الذهبى عقبه صحيح.

(٢) ج ٤ ص ٤٥٢-٤٥٣وفى سنده ابن ذئب عن سعيد بن سمعان وقال الذهبى بعد الموافقة ما خرج لابن سمعان شيئا وروى عنه ابن ابى ، وقد تكلم فيه، وسعيد بن سمعان قال فيه النسائى ثقة وذكره ابن حبان فى الثقات وقال البرقانى الدارقطنى ثقة وقال الحاكم تابعى معروف وقال الازدى ضعيف اخرج له البخارى فى جزء القرء عن خلف الإمام وابو داؤد والترمذى والنسائى تهذيب ←

(۱۸) وباسْناده عن جابر بن عبدالله رضی اللّٰهُ عنهما قال یُوشكُ اَهْلُ الْعِراق لا یجبیٰ الیهم درهم ولاقفیز(۱) قالوا لم ذلك یا ابا عبدالله قال من قِبل الْعجم یَمْنعُوْن ذلك ثُم سکت هنیة ثم قال یُوشك اهل الشّام لایجبیٰ الیهم دینارٌ ولا مُدی قالُوْا لِمَ ذلكَ قَال مِنْ قبل الرُّوم یَمْنعُوْن ذلك ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰه صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْه وَسَلَّم یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتیْ خَلِیْفَةٌ یَحْثی الْمَالَ حَثْیاً لَا یَعُدُّه عدًّا ثُمَّ قَالَ وَالَّذیْ نَفْسی بیده لَیَعُوْدَنَّ الْاَمْرُ کَمَابَدَأَ لیَعُوْدَنَّ کُلُّ اِیْمَانٍ اِلَی الْمَدِیْنَةِ کَما بَدَأَ بهاحتّی یَکُوْن کُلُّ اِیْمَانٍ بِالْمَدِیْنَةِ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَخْرُجُ رَجُلٌ مِنَ الْمَدِیْنَةِ رَغْبَةً عنها اِلَّا اُبْدَلَ لَهَا خَیْرًا مِّنْهُ وَلَیَسْمَعَنَّ نَاسٌ بِرُخْصِ اَسْعَارٍ وَرِیْفٍ(۲) فَیَتْبَعُوْنه وَالْمَدِیْنَةُ خَیْرٌ لَّهُمْ لَوْ

---

(۱۸) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اُنھوں نے فرمایا وہ وقت قریب ہے جب کہ عراق والوں کے پاس روپے اور غلّے آنے پر پابندی لگادی جائے گی۔ حضرت جابر سے پُوچھا گیا۔ یہ پابندی کن لوگوں کی جانب سے ہوگی؟ تو اُنھوں نے فرمایا عجمیوں کی جانب سے؟ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا وہ وقت قریب ہے جبکہ اہلِ شام پر بھی یہ پابندی عائد کردی جائے گی۔ پُوچھا گیا یہ رکاوٹ کس کی جانب سے ہوگی؟ فرمایا اہلِ رُوم کی جانب سے! پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری اُمّت میں ایک خلیفہ ہوگا (یعنی خلیفۂ مہدی) جو لوگوں کو (اموال) لپ بھر بھر دے گا اور شمار نہیں کرے گا۔ نیز آپؐ نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کی قدرت میں میری جان ہے یقیناً (اسلام) اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹے گا۔ یقیناً سارا ایمان مدینے کی طرف لوٹے گا جس طرح کہ ابتداء مدینہ سے ہوئی تھی۔ حتّٰی کہ ایمان صرف مدینہ میں ہوگا۔ پھر آپؐ نے فرمایا مدینہ سے جب بھی کوئی اس سے بے رغبتی کی بناء پر نکل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر کو وہاں آباد کردے گا۔ کچھ لوگ سُنیں گے کہ (فلاں جگہ) ارزانی اور باغ وزراعت کی فراوانی ہے تو (مدینہ کو چھوڑ کر) وہاں چلے جائیں گے۔ حالانکہ ان کے واسطے مدینہ ہی بہتر تھا۔ کاش کہ وہ لوگ اس بات کو جانتے۔ (مستدرک ج ۴ ص ۴۵۶)

التهذیب ج٤ ص٤٠ وقال الحافظ فی یب ص ٢٣٨ مطبوعه بیروت ١٤٠٨هـ ثقة لم یصب الازدی فی تضعیفه من الثالثة وذکره الحا فی فتح الباری ج٣ص ٤٦١ مستشهدا به.

(١) القفیز مکیال معروف لاهل العراق خمس کیلجات (شرح صحیح مسلم للنووی ج ٢ ص٣٨٨).

(٢) الریف کل أرض فیها زرع ونخل.

كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰه هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلىٰ شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخْرِجَاه بِهٰذِهِ السِّيَاقَةِ وَ وَافَقَهُ الذَّهَبِىُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ(۱)

(۱۹) وَبِاِسْنَادِه عَنْ ثَوْبَانَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقْتَتِلُ عِنْدَكَنْزِكُمْ ثَلَاثَةٌ كُلُّهُمْ اِبْنُ خَلِيْفَةٍ ثُمَّ لَايَصِيْرُ اِلىٰ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَطْلُعُ الرَّايَاتُ السُّوْدُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ فَيُقَاتِلُوْنَكُمْ قِتَالاً لَّمْ يُقَاتِلْهُ قَوْمٌ ثُمَّ ذَكَرَ شَيْأً فَقَالَ اِذَارَأَيْتُمُوْهُ فَبَايِعُوْهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَاِنَّه خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِىُّ قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلىٰ شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَوَافَقَهُ الذَّهَبِىُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ(۲)

---

(۱۹) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے خزانہ کے پاس تین شخص جنگ کریں گے۔ یہ تینوں خلیفہ کے لڑکے ہوں گے۔ پھر بھی یہ خزانہ ان میں سے کسی کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ اس کے بعد مشرق کی جانب سے سیاہ جھنڈے نمودار ہوں گے اور وہ تم سے اس شدت کے ساتھ جنگ کریں گے کہ اس سے پہلے کسی قوم نے اس قدر شدید جنگ نہ کی ہوگی (راوی حدیث یعنی حضرت ثوبان رضؓ کہتے ہیں) کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بات بیان فرمائی (جس کو یہ سمجھ نہ سکے ؛ ابن ماجہ کی روایت میں اس جملہ کی تصریح بایں الفاظ ہے۔ ثم یجیٔ خلیفۃ اللہ المھدی یعنی پھر اللہ کے خلیفہ مہدی کا ظہور ہوگا۔ پھر فرمایا کہ جب تم لوگ انہیں دیکھنا تو ان سے بیعت کرلینا اگرچہ اس بیعت کے لیے برف پر گھسٹ کر آنا پڑے، بلاشبہ وہ اللہ کے خلیفہ مہدی ہوں گے۔

(مستدرک ج ۴ ص ۴۶۳)

ضروری وضاحت

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح بخاری ج ۱۳ ص ۸۱ پر اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ اس حدیث مذکور میں خزانہ سے مُراد اگر وہ خزانہ ہے جس کا ذکر حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ "یوشك الفرات ان یحسر عن کنز من الذھب" قریب ہے کہ دریائے فرات (خشک ہوکر) سونے کا خزانہ ظاہر کردیگا تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ واقعات ظہورِ مہدی کے وقت رونما ہوں گے۔

---

(۱) ج٤ ص٤٥٦ وسكت عنه الذهبى.

(۲) ج٤ص٤٦٣-٤٦٤

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری

(قسط:۱۵)

حیلے اور بہانے

ہم سینکڑوں گناہ کرتے ہیں ایک گناہ چھوڑ دیا تو کیا ہوگا؟

(۵۷) بعض لوگوں کو جب کسی گناہ کے چھوڑنے پر تنبیہ کی جاتی ہے، تو کہہ دیتے ہیں، ارے میاں! رات دن ہم سینکڑوں گناہ کرتے ہیں، اس ایک گناہ کے چھوڑنے سے کیا ہوگا؟

یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے، اور نفس کا فریب ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ مُسلمان بندہ اللہ تعالیٰ کی وفاداری کا عہد کرچکا ہے۔ جتنے گناہ زیادہ ہوں گے۔ اتنی ہی بغاوت اور نافرمانی زیادہ ہوگی اور جتنے بھی گناہ کم ہوں گے، اسی قدر بغاوت و نافرمانی کم ہوگی، اگر ایک گناہ بھی چھوڑ دیا۔ تو بغاوت میں کمی آگئی، اور بقدر اس ایک گناہ کے عذاب سے بھی محفوظ ہوگیا۔ (کیونکہ اگر یہ گناہ آگے ہوتا تو جتنی دفعہ بھی اس کو کرتا، اس کے بقدر عذاب کا مستحق ہوتا) دُنیاوی مصیبتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کوشش کرتا ہے جتنی بھی مصیبت اور تکلیف کم ہو اچھا ہے اگر ایک سو تین ڈگری بخار ہو اور ایک ڈگری بھی کم ہوجائے تو خوش ہوتے ہیں، اگر چند امراض لاحق ہوں اور ایک مرض کی شدّت میں بھی کچھ کمی ہوجائے تو اُس کو بھی غنیمت جانتے ہیں، یہ معلوم ہے کہ آخرت میں گناہوں پہ عذاب ہے اور وہاں کے عذاب کی کسی کو سہار نہیں ہے، لہٰذا عذاب کے اسباب میں جتنی بھی کمی ہو بہتر ہے۔ اگر میدانِ قیامت اور دوزخ کا تصوّر کریں گے تو بہت جلدی یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ ہزاروں گناہوں میں سے ایک کم ہو جائے وہ بھی بسا غنیمت ہے

دوسری بات یہ ہے کہ سب گناہوں سے توبہ کرنا فرض ہے اور توبہ میں دیر لگانا جائز نہیں ہے۔ پس اگر پُورے گناہوں کو بیک وقت نہیں چھوڑتے، کچھ تو چھوڑو، گناہ چھوڑنے کی نفس کو عادت ڈالو گے اور ایک ایک کرکے چھوڑتے چلے جاؤ گے، انشاء اللہ کبھی سارے گناہوں سے سچی توبہ بھی نصیب ہوجائے گی۔

کسی گناہ سے روکا جائے تو پُوچھتے ہیں کہ یہ حرام ہے یا ناجائز؟

(۵۸) کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جب اُن کو کسی گناہ سے روکا جاتا ہے تو یُوں پُوچھتے ہیں کہ یہ حرام ہے یا ناجائز ہے؟ جس کا مطلب یہ ہُوا کہ حرام ہے تو بچ جائیں گے۔ کیونکہ حرام کے ہتھوڑے کا ڈر ہے اور ناجائز ہے تو کرتے رہیں گے۔ یعنی یہ جاہل ناجائز سے بچنے اور ڈرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اوّل تو ناجائز کا مطلب سمجھنا چاہیے۔ جس چیز کے کرنے کی شرعًا اجازت نہ ہو، اس کو ناجائز کہا جاتا ہے۔

پس جس کام کی اجازت نہیں ہے اُس کو کرنا اور دھڑلے سے کرنا اور ناجائز جانتے ہوئے کرنا ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے اور بڑی سرکشی ہے۔ مومن بندہ کا کام یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی سے بھی بچے، اور مکروہ تحریمی سے بھی دُور بھاگے، ہر ناجائز سے سخت پرہیز کرے اور حرام کے پاس نہ پھٹکے، یہ سمجھنا کہ حرام نہیں ہے لہٰذا کر گزرو بڑی نادانی کی بات ہے، یہ بات تو نہیں کہ صرف حرام پر پکڑ ہو، پکڑ تو ہر چھوٹے بڑے گناہ پر ہوسکتی ہے۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ

اِیَّاكِ وَ مُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللهِ طَالِبًا۔[۱]	ان گناہوں سے (بھی) پرہیز کرو جن کو معمولی سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں بھی مطالبہ کرنے والا (یعنی لکھنے والا فرشتہ) موجود ہے۔

وفادار بندوں کا طرزِ عمل

ایمان کا تقاضا یہ ہے جو بھی حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے ملے اس پہ بڑی رغبت و بشاشت کے ساتھ عمل کرے۔ وفادار بندہ یہ نہیں دیکھتا کہ عمل نہ کیا تو مار پڑے گی، جو مار کے ڈر سے عمل کرتے ہیں۔ ڈنڈے کے غلام ہیں۔ ایمانی وفاداری یہ ہے کہ ہر حکم پر بلاچون وچرا عمل کیا جائے۔

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۵۸

خالقِ کائنات جل مجدہ نے جب وجود بخشا ہے، اَن گنت نعمتوں سے نوازا ہے اُس کی شکرگزاری کا تقاضا یہ ہے کہ جو حکم سُنے مان لے اور عمل کرے۔

مکروہ و مستحب کے معنی بدل لیے گئے ہیں

آج کل لوگوں کا مزاج یہ ہوگیا ہے کہ مکروہ سے تو بچتے ہی نہیں اگرچہ تحریمی ہو، جب کسی عمل کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکروہ ہے، اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس کو کرنا چاہیے اور کسی بات کے بارے میں اگر معلوم ہو کہ یہ مستحب ہے تو اس کا معنیٰ اُن کے نزدیک یہ ہوتا ہے کہ اس کو نہ کرو، مفہوم ہی اُلٹ چُکا ہے، ثواب کی رغبت نہیں، گناہ سے وحشت و نفرت نہیں، گناہ، گناہ ہی ہے جتنا بھی ہلکا ہو۔ جب نفس کو مکروہ کام سے بچانے کا اہتمام کریں گے تو وہ حرام سے بھی بچے گا، سُنّتوں اور مستحبات کی پابندی کرائیں گے تو فرائض وواجبات کی پابندی کے لیے بھی راضی ہوگا۔ نفس کو جہاں ڈھیلا چھوڑا فوراً عمل میں آگے بڑھنے سے بچے گا۔ کبھی ایسی بات نہ سوچیں کہ مکروہ ہی تو ہے لاؤ کرلیں۔ یا سُنّت ہی تو ہے اسے چھوڑ دیں بلکہ نفس کو سمجھائیں کہ سُنّتیں اور مستحبات عمل کرنے کے لیے ہیں اور مکروہ اور گناہ چھوڑنے کی چیز ہے۔ آخرت کے عذاب و ثواب کا مراقبہ کریں اور نفس کو وہاں کی نعمتیں یاد دلائیں اور گناہوں پر جو عذاب ہوگا۔ اس کا استحضار کریں۔ ایسا کرنے سے نفس قابو میں رہ سکتا ہے جو شخص گناہوں کا ارتکاب کرے گا۔ اپنا ہی بُرا کرے گا۔ دانشمندوں کا یہ کام نہیں کہ حرام کے ہتھوڑے سے توڑ دیں۔ اور دوسرے گناہوں کو حلال سمجھ کر اختیار کرتے رہیں۔ اور آخرت کی مصیبت کے لیے تیّار رہیں۔

غیبت اور بہتان کو آگے بڑھانا

(۵۹) بعض لوگ بے تکلّف دوسروں کے بارے میں مردہ ہو یا زندہ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو محض اڑائی ہوئی ہوتی ہیں اور ان کی تصدیق اور توثیق کا کوئی راستہ نہیں ہوتا۔ اس طرح سے ان کی غیبت بھی ہوتی ہے اور بہتان طرازی بھی، جس کا انجام آخرت میں بہت سخت ہے۔ جب ان لوگوں کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ یہ طرزِ عمل صحیح نہیں ہے اور گناہ کبیرہ ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ" اَلا بلا

بر گردن راوی" جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم تو دوسروں کی کہی ہوئی بات نقل کر رہے ہیں حالانکہ اگر کوئی شخص کسی پر بہتان باندھے تو دوسروں کو یہ جائز نہیں ہوجاتا کہ اس بہتان کو آگے بڑھائیں اور عوام وخواص میں اس کو پھیلائیں، اسی طرح اگر کوئی کسی کی غیبت کرے تو کسی کو اس کا سننا ہی جائز نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس کا آگے بڑھانا جائز ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ الا بلا بر گردن راوی کہہ دینے سے اپنا چھٹکارا نہیں ہوجاتا اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ دوسروں کے احوال بیان کرنے سے خاموشی ہی میں خیر ہے۔

کتاب قریب الختم ہے جی چاہتا ہے کہ ختم سے پہلے مردوں کے ایک عام گناہ یعنی ڈاڑھی مونڈنے کے حیلے اور بہانے اور عورتوں کے ایک عام گناہ یعنی بے پردگی کے حیلے اور بہانے بھی لکھ دیئے جائیں، کتاب لکھنے کے دوران ان دونوں گناہوں کو جائز کرنے کے بارے میں جو لوگوں کی جاہلانہ دلیلیں ذہن میں آئیں، ان کو مع تردیدی جوابات کے درج کیا جاتا ہے۔ وباللہ التوفیق

پردہ کے متعلّق حیلے بہانے

پردہ حکم شرعی ہے اور واجب ہے لیکن خال خال ہی ایسے خاندان پائے جاتے ہیں جن میں شرعی پردہ کا اہتمام کیا جاتا ہو، جو عورتیں پردہ کرتی ہی نہیں، بازاروں، میلوں اور پارکوں میں بے پردہ بنی ٹھنی پھرتی ہیں اور نصرانی عورتوں کی نقل اُتارنے کو فخر سمجھتی ہیں۔ اس وقت ان کا ذکر کرنا مقصود نہیں، اُنھوں نے تو طے کرلیا ہے کہ ہم کو اس بارے میں اسلام کے مطابق عمل کرنا ہی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان کو دین پر عمل کرنے کے جذبات نصیب فرمائے۔ (آمین)

جو عورتیں پردہ کرنے والی ہیں اُن کی بے پردگی کے چند حیلے بہانے ذکر کرنا مقصود ہے۔

نامحرموں سے پردہ واجب ہے

مسئلہ یہ ہے کہ جو لوگ نامحرم ہیں ان سے پردہ کرنا واجب ہے۔ محرم اس کو کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح دُرست نہ ہو، اور نامحرم وہ ہے جس سے کبھی نہ کبھی نکاح ہوسکتا ہو۔

ماموں، پھوپھی، خالہ اور چچا کے لڑکے نامحرم ہیں

ماموں اور پھوپھی کے لڑکے اور چچا اور خالہ کے بیٹے بھی نامحرم ہیں، لیکن بڑی بڑی پردیل خواتین ان سے پردہ نہیں کرتیں، اور ان سے پردہ کرنے کو عار اور عیب سمجھتی ہیں، رشتہ داروں میں بھی بہت سے جاہل ہوتے ہیں جو بطور اعتراض یوں کہتے ہیں کہ ہم ماموں یا پھوپھی یا خالہ یا چچا کے گھر گئے تھے۔ ان کی لڑکی نے ہم سے پردہ کیا اور غیر سمجھا، حالانکہ شریعت پر چلنے کا ارادہ ہو تو اپنا ہر جذبہ ختم ہو جاتا ہے، جب شریعت نے ان رشتوں کو اتنا قریب قرار نہیں دیا کہ بے پردہ ہو کر سامنے آئیں تو اپنے اور غیر کا سوال اُٹھانا جہالت کی بات ہے۔ آپ کا رشتہ ماموں اور پھوپھی اور خالہ سے ہے جو قریب ترین رشتہ ہے اور ان سے پردہ کا حکم بھی نہیں ہے اور اُن کی اولاد سے چونکہ نکاح جائز ہے اس لیے ان سے پردہ ہے۔

جیٹھ، دیور، بہنوئی، نندوئی سے پردہ لازم ہے

جیٹھ، دیور، بہنوئی اور نندوئی سب کو اپنے سگے بھائی کا درجہ دے رکھا ہے۔ ان لوگوں سے پردہ کرنے کو کہا جاتا ہے تو اُلٹے سیدھے سوال جواب کرتی ہیں اور شریعت کے حکم کو ٹھکراتی ہیں دیور کے بارے میں کہتی ہیں کہ یہ تو ہمارے سامنے کا چھوٹا سا بچہ ہے، ہم نے اسے گود میں کھلایا ہے اس سے کیا پردہ؟ فضول کی کٹ حجتی کرتی ہیں جب چھوٹا تھا تو چھوٹا تھا اب تو چھوٹا نہیں رہا، چھوٹے کا حکم اور ہے بڑے کا حکم اور ہے۔

"انوارِ مدینہ" میں
اشتہار
دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

(قسط: ۳، آخری)

تاریخ قراءات متواترہ اور حل اشکالات

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد زید مجدہم
مدرس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

نوٹ: اس مضمون کی اصل شرح سبعہ قراءات سے ماخوذ ہے

باب چہارم۔ قراءات میں کمی واقع ہونے کی وجہ

خیر القرون کے بعد سند کی طوالت نے جب اکثر لوگوں میں کسل پیدا کر دیا اور بعض کے ضبط و حفظ میں ضعف اور شوق و ہمت میں فرق آ گیا تو علماء نے تعدادِ مروجہ میں کمی کر دی، چنانچہ امام ابوبکر بن مجاہد مقریؒ بغدادی نے جو اُس وقت دُنیاء اسلام میں امام الائمہ تھے۔ قراءاتِ مروجہ میں سے بوجہ شہرت و کثرت وجوہِ صحیحہ و موافقتِ رسم اور عربیت میں اقویٰ ہونے کی بناء پر ائمہ سبعہ کو منتخب کر کے اُن کی قراءات میں کتاب السبعہ تصنیف کی اور اس کے مطابق روایات و قراءات پڑھانے لگے یہ پہلی کتاب ہے جس میں سبعہ پر اقتصار اور امام نافعؒ کو باقی حضرات سے مقدم بیان کیا گیا ہے یہ امر منجانب اللہ ہے کہ اُن کو ان کے انتخاب کا دھیان آیا ورنہ بقول امام ابو محمدؒ مکی ستر ائمہ کی قراءات ان سے مقدم موجود تھیں اور ائمہ ثلاثہ کی قراءات تو ہر لحاظ سے ان کے برابر تھیں مگر امامؒ موصوف کا یہ اعتقاد ہرگز نہ تھا کہ ان کے سوا دیگر قراءات شاذ یا غیر صحیح ہیں۔

اکثر اولو العزم معاصرین نے امام موصوف کے اس عمل کو ناپسند کیا اور سات کی تعداد پر تو خاص اعتراض تھا، مگر امام ابن مجاہدؒ کی فقید المثال شخصیت و شہرت اور اُن کی کتاب۔ سبعہ قراءات کے رواج کا باعث بن گئی اور باقی قراءات کی تعلیم میں کمی آنے لگی۔ پھر امام ابوعبداللہ قیروانیؒ۔ امام ابوالقاسم طرسوسیؒ اور امام ابوالعباسؒ مہدوی نے مشرق میں سبعہ کو اور مشہور کر دیا۔

چوتھی صدی کے آخر تک اندلس اور بلادِ مغرب میں ان سبعہ قراءاتِ مشہورہ کا رواج نہ تھا۔

سب سے پہلے امام ابو عمر طلمنکیؒ نے اُن کے بعد امام ابو محمدؒ مکی قیروانی اور امام العلّامہ حافظ ابو عمرو دانیؒ نے مصر وغیرہ سے پڑھ کر سبعہ قراءات اندلس میں پہنچائیں۔

اوائل پانچویں صدی تک قراءات سبعہ اکثر روایات و طرق مشہورہ کے ساتھ پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں۔ چنانچہ علّامہ دانی نے جامع البیان میں پانسو روایات و طرق بیان کیے ہیں۔

روایات کے کم ہونے کی وجہ

اس کے بعد ہمتیں اور گھٹ گئیں اور طلباء مزید اختصار کے خواستگار ہونے لگے۔ اس پر علّامہ دانیؒ نے تیسیر لکھی۔ اس کے شروع میں خود کہتے ہیں "آپ صاحبوں نے مجھ سے خواہش کی تھی کہ میں آپ کے لیے قراء سبعہ کے مذاہب پر ایک ایسی مختصر کتاب لکھوں جس کا پڑھنا پڑھانا اور یاد کرنا آسان ہو اور اُس میں وہ مشہور روایات و طرق بیان کروں جو تھوڑے زمانہ میں حفظ ہو سکیں" پھر کہتے ہیں۔ "پس میں نے آپ کی خواہش کے مطابق یہ کتاب لکھی اور اس میں ہر قاری سے دو دو روایات بیان کی ہیں"۔ تیسیر کے بعد ائمہ سبعہ کی دیگر روایات کا رواج بھی کم ہو گیا۔ اور چھٹی صدی کے آخر میں امام العلّامہ شاطبیؒ نے تیسیر کو نظم کر کے اس کی روایات و طرق کو چار چاند لگا دیئے اور چار دانگ عالم میں مشہور کر دیا۔

جن قراءات کا رواج کم ہوتا گیا وہ مندرس ہو گئیں۔ قراءات ثلثہ بھی غائب ہو جاتیں، اگر ابن مہرانؒ ابن غلبونؒ، ابن شیطاؒ۔ اہوازیؒ قلانسیؒ۔ حافظ ابو العلاءؒ اور محققؒ وغیرہ ائمہ ان کو پڑھتے پڑھاتے اور تصنیف و تالیف سے (جن کا اجمالی حال آئندہ فصل میں آئے گا) ان کی حفاظت نہ کرتے اور اہلِ مصر وغیرہ اُن کی خدمت نہ کرتے رہتے۔ ائمہ سبعہ کی باقی روایات کی بھی یہی کیفیّت ہے کہ وہ بھی تیسیر کے بعد مندرس ہو گئیں اور جس طرح اِن روایات کے اِندراس کا باعث شذوذ نہیں اسی طرح اُن قراءات کے اندراس کا سبب بھی شذوذ نہیں ہے۔ بلکہ عُلماء فوت ہو گئے اور علم اُن کے ساتھ چلا گیا۔ آئندہ کوئی جانشین نہ بنا۔ اَب اُمّت کے پاس سبعہ مشہورہ متواترہ کی دو دو روایات اور قراءات ثلثہ متواترہ کی دو دو روایات اور چار دیگر قراءات باقی ہیں۔ یہ چاروں بھی صدیاں گزر گئیں پڑھی پڑھائی نہیں جاتیں صرف کتابوں میں بیان ہوتی ہیں۔ عشرہ پڑھائی جاتی ہیں۔

غرض پڑھانیوالوں نے جب لوگوں کا کسل اور اُن کی ہمّتوں میں قصور و فتور دیکھا تو پہلے سبعہ پر اور پھر سبعہ کے ایک قلیل حصّہ پر قانع ہوگئے۔

ایک شُبہہ کا ازالہ

بعض آدمیوں کو اس سے شُبہہ پیدا ہوگا کہ شاید کوئی حرف قرآن کا فوت و مفقود نہ ہوگیا ہو جس سے تمام اُمّت آثم ہُوئی اور نیز وعدۂ الٰہی میں تخلف ہوگیا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک اس کا جواب یہ ہے کہ تمام اختلافات سات قسم کے ہوتے ہیں۔ اوّل صرف حرکات میں اختلاف ہوتا ہے۔ معنی اور صُورت میں کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ جیسے بِالْبُخُلِ اور بِالْبَخَلِ۔ یَحْسَبُ ——— اور یَحْسِبُ وغیرہ اور اسی صُورت میں اُصولی اختلافات داخل ہیں۔ دوم۔ حرکات و معنی میں اختلاف ہوتا ہے صُورت میں نہیں جیسے اٰدمُ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ مرفوع و منصوب اور منصوبٌ مرفوع۔ سوم معنی میں اختلاف ہوتا ہے حرکات وصُورت میں نہیں ہوتا جیسے تَبْلُوْا۔ اور تَتْلُوْا۔ وغیرہ۔ چہارم۔ صُورت میں اختلاف ہوتا ہے۔ حرکات و معنی میں نہیں ہوتا۔ جیسے بَصْطَۃً اور بَسْطَۃً صِرَاطٌ سِرَاطُ وغیرہ۔ تمام لغوی اختلافات۔ پنجم۔ صورت و معنی دونوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ حرکات میں نہیں ہوتا جیسے اَشَدَّ مِنْکُمْ۔ اَشَدَّ مِنْھُمْ۔ ششم۔ تقدیم و تاخیر سے جیسے فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ۔ ہفتم۔ زیادۃ ونقصان سے جیسے وَوَصّٰی۔ وَاَوْصٰی۔ وَقَالُوْا۔ اور قَالُوْا وغیرہ۔ ان کے سوا اور قسم کا اختلاف ہرگز نہیں ہوتا۔ خواہ قراءات متواتر مروجہ ہوں یا غیر مروجہ۔ شاذہ ہوں یا ضعیفہ اور یہ تمام اختلافات علی سبیل البدلیت مروی ہیں۔ یعنی ان میں سے جو وجہ پڑھی جائے وہ ہی کافی ہے اور قرآن ہے اور اُمّت کے ہر فرد پر تمام وجوہ کا پڑھنا واجب ولازم نہیں ہے جس کی بین دلیل فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ ہے نتیجہ یہ ہے کہ متعدد قراءات و روایات و طرق کے اندر اس سے قرآن علی حالہ باقی ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ البتہ تنوع اور طریقۂ ترکیب کا بعض حصّہ مندرس ہوگیا۔ فافہم و تدبر۔

باب پنجم۔ کیا ہم منقول روایات و طرق میں خلط کر سکتے ہیں

خلطِ قراءات کے بارہ میں ائمہؒ سے مختلف اقوال مروی ہیں۔ بعض مطلقاً منع کرتے ہیں، چنانچہ امام ابوالحسنؒ سخاوی جمال القراء میں کہتے ہیں "بعض قراءات کا بعض سے ملانا خطا ہے" امام ابوزکریاؒ نووی تبیان میں

کہتے ہیں۔" جب کوئی شخص قراء سبعہ میں سے کسی قاری کی قراءۃ پڑھے تو اس کو لازم ہے کہ کلام مربوط تک وہ ہی پڑھتا چلا جاوے اس کے بعد دوسری قراءۃ پڑھ سکتا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک ہی قراءۃ پڑھے۔" علّامہ جعبری رحمۃ کہتے ہیں۔" اگر ایک کلمہ دوسرے سے متعلق ہو تو ترکیب ممنوع ورنہ مکروہ ہے اور بہت سے ائمہ نے خلط کو مطلقاً جائز رکھا ہے۔ وہ مانعین کو برسرِ غلطی کہتے ہیں اور بعض اعتدال کی جانب گئے ہیں چنانچہ

محقق رحمۃ کہتے ہیں۔" ہمارے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔ اگر ایک قراءۃ دوسری پر مرتب ہو مثلاً کوئی شخص فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ (بقر) کو اٰدَمَ اور کَلِمٰتٍ دونوں کے رفع یا دونوں کے نصب سے پڑھے یعنی ایک قراءۃ سے اٰدَمُ اور دوسری قراءۃ سے کَلِمٰتٍ کا رفع یا نصب لیوے یا کوئی شخص وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّآءُ کو تشدید و رفع یا تخفیف و نصب سے تلاوت کرے یا وَقَدْ اَخَذَ مِيۡثَاقَكُمۡ کو بصیغہ مجہول و منصوب یا بصیغہ معروف و مرفوع پڑھے۔ چونکہ یہ سب باتیں عربیت اور اُس لغت کے خلاف ہیں۔ جس پر قرآن نازل ہُوا ہے لہٰذا ایسی تخلیط بہرصورت حرام ہے۔

" اور اگر ایک قراءۃ دوسری پر مرتب نہ ہو تو مقام روایت میں تخلیط ممنوع ہے کیونکہ اس سے روایت کی تکذیب اور ایک ثقہ امام کی طرف وہ چیز منسوب ہو جاتی ہے جو اُس نے نہیں پڑھی اور اگر تلاوت میں تخلیط ہوجائے تو بلا شُبہہ جائز صحیح اور مقبول ہے کوئی ممانعت و حرج نہیں کیونکہ ہر وجہ منزّل من اللہ اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیم کردہ اور قرآن ہے پس جو حرف پڑھا جائے۔ وہ ہی کافی ہے۔ طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی سے روایت کرتے ہیں رح کہ بعض وجوہ کو بعض وجوہ سے ملاکر پڑھنا خطا نہیں۔ یہ خطا ہے کہ قرآن میں وہ چیز ملاکر پڑھی جائے۔ جو قرآن نہیں" اگرچہ ماہرِ طرق و روایات اور عارفِ اختلاف وقراءات کے لیے ہم اس کو بھی بدیں وجہ عیب سمجھتے ہیں کہ اس سے علماء اور عوام مساوی ہوجاتے ہیں، مگر اس وجہ سے نہیں کہ وہ مکروہ یا حرام ہے۔" اس بارہ میں حضرت محقق رحمۃ کا بہترین فیصلہ ہے۔ خدائے تعالیٰ اُن کو تمام مُسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے اور یہی وہ اُصول ہے جس پر صاحب مذاہب ائمہ رحمۃ نے قراءات اختیار کیں۔

باب ششم۔ قراءات سبعہ تیسیر و شاطبیہ میں منحصر نہیں ہیں

اکثر آدمیوں کا خیال ہے کہ قراءاتِ سبعہ تیسیر۔ شاطبیہ تبصرہ اور عنوان وغیرہ میں محصور ہیں۔ یہ بھی تخیّل ہے

ان مختصرات میں حضرات ائمہ سے دو دو راوی مذکور ہیں۔ ائمۂ سبعہ نے ۷۵ سال سے ۹۹ سال تک عمر پائی اور ہر ایک نے ساٹھ برس سے زیادہ خدمتِ قرآن میں صرف کیے۔ تذکروں اور طبقات سے معلوم ہوتا ہے کہ روزانہ ان گنت طلباء شریک درس ہوتے تھے۔ امام نافع رح نماز صبح سے قبل پڑھانا شروع کرتے تھے جو عشاء کے بعد تک جاری رہتا تھا اور ہر شخص کے لیے تیس آیتوں کا وقت مقرر تھا بڑی جدوجہد سے سیدنا ورش رح کو بعد از تہجد زیادہ وقت ملا تھا۔ امام ابو عمرو رح کے گرد طلباء کا ازدحام دیکھ کر خواجہ حسن بصری رح نے تعجب سے کہا تھا کہ کیا علماء ارباب بن گئے؟ امام عاصم رح سے پڑھنے کا موقع مشکل سے ملتا تھا۔ امام کسائی رح سے عرضاً و قراءۃً پڑھنا ناممکن ہوگیا تھا بلکہ کثرت طلباء کی بناء پر دُور بیٹھنے والوں کو شکل دیکھنی بھی دُشوار تھی۔ اسی وجہ سے امام ممدوح ممبر پر بیٹھ کر خود پڑھتے تھے اور شائقین آپ کی قراءۃ اخذ کرتے جاتے تھے۔ یہی حال دیگر ائمہ کا تھا۔ خدائے تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا کہ اُن سے کتنی مخلوق نے پڑھا اور استفاضہ کیا۔ دنیائے اسلام کی کونسی بستی اُن کے خوشہ چینوں اور شاگردوں سے خالی تھی۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ اُن کے راوی یہی دو دو ہیں۔

امام ابو حیان رح کہتے ہیں: "ان مختصرات میں امام ابو عمرو رح کے (جن کی قراءۃ شام و مصر میں زیادہ مروج ہے) ایک شاگرد یزیدی رح اور ان سے دوری رح و سوسی رح دو راوی درج ہیں اور اہلِ نقل کے نزدیک ابو عمرو رح کے تلامذہ میں سے یزیدی رح، شجاع رح، عبدالوارث رح ابن سعید، عبّاس بن فضل رح سعید بن اوس رح، ہارون الاعور۔ الخفاف رح، عبید بن عقیل رح حسین الجعفی رح، یونس بن حبیب نحوی رح۔ لؤ لؤی رح۔ محبوب رح، خارجہ رح۔ الجھضمی رح۔ عصمہ رح۔ اصمعی رح اور ابو جعفر رواسی۔ سترہ شخص مشہور ہیں۔ پس ابو عمرو رح کی قراءۃ یزیدی رح پر کیسے منحصر ہوسکتی ہے اور باقی رواۃ کو جو تعداد میں کثیر ثقہ۔ ضابط اور صاحب درایت تھے بلکہ ممکن ہے کہ اُن میں سے بعض یزیدی رح سے اعلم واوثق ہوں کیسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے"۔

پھر یزیدی رح سے دوری رح، سوسی رح، ابو حمدون رح، محمد بن احمد بن جبیر رح، اوقیہ ابو الفتح رح ابو خلاد۔ جعفر بن حمدان سجادہ رح، ابن سعدان رح، احمد بن محمد بن یزیدی رح اور ابو الحارث رح دس شخص مشہور ہیں۔ لہٰذا دوری رح و سوسی رح پر کیسے اقتصار کیا جاسکتا ہے اور باقی جماعت کو کس دلیل سے چھوڑا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ بعض دوری رح و سوسی رح سے اوثق واضبط ہوں۔

پھر دوری رح سے ابن فرح رح (بالحاء المہملۃ) ابن بشار رح، ابو الزعراء رح ابن مسعود السراج رح۔ الکاغذی رح ابن برزہ رح، احمد بن حرب المعدّل رح اور پھر ابن فرح رح سے زید بن ابی بلال رح عمر بن عبد الصمد رح۔ ابو العباس رح

بن محریز، ابو محمدؒ قطانؒ اور المطوعیؒ مشہور ہیں اور ہمارے زمانہ تک ہر طبقہ کا یہی حال ہے۔"

"امام نافعؒ کے (جن کی قراءۃ مغرب میں زیادہ مشہور ہے) ان مختصرات میں قالونؒ و ورشؒ دو راوی مذکور ہیں اور اہلِ نقل کے نزدیک قالونؒ، ورشؒ، اسمٰعیل بن جعفر، ابوخلیدؒ ابن جمازؒ، خارجہؒ اصمعیؒ، کردم اور مسیبیؒ، نو حضرات مشہور ہیں اور باقی ائمہ سبعہ کے تلامذہ کا بھی یہی حال ہے۔ پس کیسے ممکن ہے کہ ان ائمہ کے علم کو دو دو راویوں میں منحصر سمجھ لیا جائے اور باقی حضرات کی روایت کو معطل کر دیا جائے۔ ان دونوں بزرگوں کو باقی اصحاب پر کیا فوقیت تھی جبکہ وہ سب ایک شیخ کے شاگرد، ضابط اور ثقہ تھے۔"

باب ہفتم۔ انکارِ قراءات کا حکم

التحقيق الذى يؤيده الدليل هو ان القراءات العشر كلها متواترة وهو راى المحققين من الاصوليين والقراء كابن السبكى وابن الجزرى والنويرى بل هو راى ابى شامة فى نقل آخر صححه الناقلون عنه

(ص ۴۳۴/۱ مناهل العرفان)

تحقیقی بات جس کی تائید دلیل سے ہوتی ہے یہ ہے کہ قراءات عشرہ سب کی سب متواتر ہیں اور یہی محقق اصولیوں اور قراء مثلاً ابن سبکی، ابن جزری اور نویری رحمہم اللہ کا قول ہے بلکہ ابو شامہ رحمہ اللہ سے یہ قول بھی منقول ہے اور نقل کرنے والوں نے اس قول کو صحیح کہا ہے۔

لیکن قراءات کا جو ضابطہ ذکر ہو چکا ہے اس کی رو سے انکا تواتر دو مرحلوں میں ہے۔ ایک تواتر وہ ہے جو صاحب اختیار ائمہ یعنی قراء سبعہ وعشرہ تک پہنچتا ہے اور دوسرا تواتر وہ ہے جو ان قراء عشرہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جاتا ہے۔

پہلا مرحلہ

علامہ سیوطی رحمہ اللہ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ قراءات کی چھ نوع ہیں:

الاوّل: المتواتر وهو ما رواه جمع من جمع لا يمكن تواطئهم على الكذب عن

مثلھم۔ مثالہ ما اتفقت الطرق فی نقلہ عن السبعۃ و ھذا ھو الغالب
فی القراءات

الثانی المشھور ھو ما صح سندہ بان رواہ العدل الضابط عن مثلہ وھکذا
و وافق العربیۃ و وافق احد المصاحف العثمانیۃ سواء أکان
عن الائمۃ السبعۃ ام العشرۃ ام غیرھم من الائمۃ المقبولین
واشتھر عنہ القراء فلم یعدوہ من الغلط ولا من الشذوذ الا
انہ لم یبلغ درجۃ المتواتر مثالہ ما اختلفت الطرق فی نقلہ عن
السبعۃ فرواہ بعض الرواۃ عنھم دون بعض و ھذان النوعان
ھما اللذان یقرأ بھما مع وجوب اعتقادھما ولا یجوز انکار شئ
منھما۔ (ص ۴۲۳/۱ مناہل العرفان)

پہلی نوع متواتر کی ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کو ایک اتنی بڑی جماعت نے اتنی ہی بڑی جماعت سے نقل کیا ہو کہ جس کا جھوٹ پر اتفاق ممکن نہ ہو۔ اس کی مثال قرارت کا وہ حصّہ ہے جس میں تمام طرق متفق ہوں اور قرارات میں اکثر حصّہ ایسا ہی ہے

دوسری نوع مشہور کی ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کو عادل وضابط نے اپنے جیسے سے نقل کیا ہو اور یہ سلسلہ ایسے ہی چلا ہو۔ علاوہ ازیں یہ عربیت کے موافق بھی ہو اور مصاحفِ عثمانیہ میں سے کسی ایک کے مطابق بھی جو خواہ قرار سبعہ سے منقول ہو یا عشرہ سے منقول ہو یا دیگر مقبول ائمہ قرار سے نقل ہو۔ پھر قرار میں اس کی شہرت ہوگئی ہو اور انھوں نے اس کو غلط یا شذوذ میں سے شمار نہ کیا ہو۔ یہ نوع درجہ متواتر کو نہیں پہنچی اس کی مثال قرارت کا وہ حصّہ ہے جس کے نقل میں طرق کا اختلاف ہے۔ یہ دونوں انواع وہ ہیں جن کی قرارت کی جاتی ہے اور جن پہ اعتقاد رکھنا واجب ہے اور ان میں سے کسی شے کا بھی انکار جائز نہیں۔

علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ کے اس قول سے یہ معلوم ہُوا کہ ائمہ قرارات تک تواتر قرارت کے صرف اتنے حصّے میں ہے۔ جن میں طرق کا اتّفاق ہے اور جو مختلف فیہ حصّہ ہے۔ اس میں شہرت تو پائی جاتی ہے تواتر نہیں پایا جاتا۔

دوسرا مرحلہ

قراءات کے بارے میں جو ضابطہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب اختیار ائمہ نے اخذ قراءت میں تواتر کو شرط قرار نہیں دیا بلکہ عربیت اور رسم مصحف کی موافقت کے ساتھ صرف صحتِ سند پر اکتفا کیا۔ علاوہ ازیں بعض متاخرین نے تواتر کو شرط قرار دیا تو ان کے قول کو رَد کیا گیا اور علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ نے بھی تواتر کے شرط ہونے کے قول سے رجوع کیا۔

امام ابو محمدؒ مکی رحمہ اللہ کہتے ہیں۔

ان جمیع ما روی من القراءات علی اقسام۔ قسم یقرأ بہ الیوم و ذلک ما اجتمع فیہ ثلاث خلال وھن ان ینقل عن الثقات عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و یکون وجھہ فی العربیۃ التی نزل بھا القرآن سائغا و یکون موافقا لخط المصحف

نقل کردہ تمام قراءات کی چند قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس کی آج کل قراءت کی جاتی ہے۔ اور یہ وہ ہے جس میں تین باتیں جمع ہوں۔ وہ تین باتیں یہ ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثقہ لوگوں کے واسطے سے منقول ہو۔ دوسرے یہ کہ عربیت جس میں قرآن نازل ہوا ہے اس میں اس کی کوئی وجہ بنتی ہو اور خط مصحف کے موافق بھی ہو۔

ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ ہو سکتا ہے کہ فی نفسہ تواتر پایا گیا ہو، لیکن جب ائمہ نے ضابطہ میں تواتر کا التزام نہیں کیا تو تواتر کا قول کرنا بہرحال ممکن نہیں بلکہ صحتِ سند پہ ہی اقتصار کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا دونوں مرحلوں کو جب جمع کیا جائے تو حاصل یہ ہوگا کہ قراءات کی نقل میں تواتر ضروری مفقود ہے۔ البتہ بعد کے قرون میں تواتر اور تلقی بالقبول کے پائے جانے کے باعث یہ چونکہ مفید علم ہے اس لیے یہ تواتر تقدیری یا تواتر نظری ہے۔

ان تمام باتوں کے ساتھ مندرجہ ذیل باتیں بھی پیش نظر رہیں۔

۱۔ قرآن اور چیز ہے اور قراءات اور چیز ہیں۔ قرآن تو اُس کا نام ہے جو مصاحف کے اندر ثبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا اور تواتر سے نقل ہوتا چلا آیا۔ جبکہ قراءات زبان سے اس کی ادائیگی کا نام ہے۔ قرآن ایک ہے اور قراءات متعدد ہیں۔

۲۔ مناہل العرفان میں عبد العظیم زرقانی لکھتے ہیں۔

وتناقش هذا الدليل بانا لا نسلم ان انكار شئ من القراءات يقتضى التكفير على القول بتواترها وانما يحكم بالتكفير على من علم تواترها ثم انكره۔ والشئ قد يكون متواترا عند قوم غير متواتر عند آخرين...

ويمكن مناقشة هذا الدليل ايضًا بان طعن الطاعنين انما هو فيما اختلف فيه وكان من قبيل الاداء۔ اما ما اتفق عليه فليس بموضع طعن ونحن لا نقول الا بتواتر ما اتفق عليه دون ما اختلف فيه

ترجمہ: بعض بڑے علماء نے قراءات پر طعن کیا ہے حالانکہ اگر قراءات متواتر ہوں تو انکا طعن موجب تکفیر ہوگا۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مناہل العرفان کے مصنّف لکھتے ہیں کہ تواتر کے قول کو لیتے ہوئے کسی قراءت کا انکار ضروری نہیں کہ موجب تکفیر ہو کیونکہ تکفیر اس وقت کی جاتی ہے جب کوئی اس کے تواتر کا علم ہوتے ہوئے انکار کرے جبکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شے کے بارے میں کچھ لوگوں کے نزدیک تواتر ثابت ہو اور کچھ لوگوں کے نزدیک تواتر ثابت نہ ہو۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کا طعن مختلف فیہ میں ہو جو ادائیگی کے قبیل سے ہو۔ رہا متفق علیہ تو وہ طعن کا محل نہیں ہے۔ اور ہم تواتر کا قول صرف متفق علیہ میں کرتے ہیں مختلف فیہ میں نہیں کرتے۔

۳- نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول اختلافات کی کوئی ترتیب بعینہ واجب نہیں تھی لہٰذا اصحاب اختیار ائمہ نے بہ پابندئ شرائط اپنی اپنی ترتیب سے قراءات اختیار کیں۔ (اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔)

انکار قراءات کا حکم

۱- قرآن یا اس کے کسی جزو کا انکار کفر ہے۔ ۲- کوئی تمام قراءتوں کا انکار کرے تو یہ کفر ہے کیونکہ قراءتوں میں قرآن ہی ادا کیا جاتا ہے۔ ۳- کوئی اگر بعض قراءتوں کو تسلیم کرتا ہو مثلاً روایتِ حفص کو مانتا ہو اور دیگر کا انکار کرتا ہو تو اس میں مندرجہ ذیل شقیں ہیں۔

الف- کسی محقق کے نزدیک دیگر قراءتوں کا تواتر ثابت نہ ہو اس وجہ سے انکا انکار کرتا ہو۔ اس پر تکفیر نہ ہو گی۔

ب- اس کو دیگر قراءتوں کا تواتر سے ثابت ہونا معلوم نہ ہو جیسا کہ عام طور سے عوام کو دیگر قراءتوں کا علم نہیں ہوتا اور صرف ان ہی لوگوں کا ان کو علم ہوتا ہے جو ان کے پڑھنے پڑھانے میں لگے ہوں۔ ایسی لاعلمی کی وجہ سے انکار پر بھی تکفیر نہ کی جائے گی، البتہ ایسے شخص کو حقیقت حال سے باخبر کیا جائے گا۔

ج- تواتر تسلیم ہونے کے بعد بھی انکار کرے تب بھی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ حقیقتاً یہ تواتر ضروری نہیں بلکہ تقدیری و نظری ہے جس کے انکار پر تکفیر نہیں کی جاتی۔ البتہ یہ سخت گمراہی کی بات ہے۔ کیونکہ یہ تواتر بھی مفید علم ہوتا ہے۔

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

ایک بُڑھیا کے درہم کی برکت

"ایک بار (حضرت) شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ (م ۶۳۲/۱۲۳۴ء) حج سے بغداد واپس آئے تو اہلِ بغداد کی ایک بڑی جماعت اُن کے پاس آئی اور ہر ایک نے اپنی اپنی حیثیّت کے مطابق نقد و جنس پیش کیا، ایک بڑھیا بھی آئی اُس نے اپنی چادر میں سے ایک درہم پیش کیا (حضرت) شیخ شہاب الدین سہروردی رح نے اس درہم کو تمام نذرانوں کے اُوپر نمایاں طور پر رکھ دیا، پھر تمام حاضرین سے کہا کہ جو چاہے ان نذرانوں کے ڈھیر میں سے اپنی اپنی پسند کی چیزیں لے لیں، اس موقع پر شیخ جلال الدّین تبریزیؒ بھی موجود تھے۔ شیخ شہاب الدّین سہروردی رح نے اُن سے فرمایا تم بھی کچھ لے لو، شیخ جلال الدّین رح نے بڑھیا کا پیش کردہ درہم اُٹھا لیا، شیخ شہاب الدّین سہروردی رح نے یہ دیکھ کر کہا کہ "تم نے سب کچھ لے لیا"۔ لہ

اسی طرح کی ایک حکایت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے، وہ بھی سُننے چلیں۔

حضرت تھانوی رح فرماتے ہیں۔

"ایک بزرگ کسی دوسرے بزرگ کی ملاقات کو چلے، پاس کچھ نہ تھا، محبّت میں

لہ اخبار الاخیار ص ۵۴ فارسی

خیال ہوا کہ خالی ہاتھ نہ جانا چاہیے کچھ تو لے کر جانا چاہیے، راستہ میں دیکھا کہ درختوں پر سے لکڑیاں سوکھ کر زمین پر پڑی ہیں ان کو جمع کر کے ایک گٹھڑی باندھ کر ان بزرگ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ حضرت کچھ لکڑیاں لایا ہوں حضرت کے یہاں ایک وقت کی روٹی ہی پک جائے گی۔ وہ بزرگ اس ہدیہ کی کیسی قدر فرماتے ہیں، خادم کو حکم دیتے ہیں کہ یہ چیز حب فی اللہ کی وجہ سے آئی ہے اس کی تحقیر نہ کرنا۔ ویسے ہی مت جلا ڈالنا، بلکہ اس کو محفوظ رکھو ہمارے مرنے کے بعد ہمارے غسل کا پانی ان سے گرم کرنا، وہ ہماری نجات کا ذریعہ ہوگا۔"[۱]

سماع کا تاریک ترین پہلو

ہمایوں بادشاہ کے زمانے میں حضرت میر سیّد ابراہیم بن معین عبدالقادر الحسنی القادری الایرجی رحمہ اللہ (م ۹۵۳ھ) ایک بڑے مشہور بزرگ تھے، اُن کے زمانہ میں دہلی میں کوئی شخص علم و دانش میں اُن کے برابر نہ تھا وہ گوشہ نشین ہو کر مطالعۂ کُتب کرتے رہتے تھے اور مجلسِ سماع کو پسند نہیں کرتے تھے، حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۲ھ) نے اپنی کتاب میں حضرت میر سید ابراہیم کا محفلِ سماع سے متعلّق ایک واقعہ تحریر فرمایا ہے، جو سُننے کے قابل ہے۔

"آپ محفلِ سماع میں شریک نہیں ہوتے تھے، ایک بار حضرت خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی رحمہ اللہ کے عرس کے موقع پر اُن کے ایک ہم عصر بزرگ حضرت شیخ رکن الدین بن حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اُن کے پاس آئے اور عرس کی مجلس سماع میں شرکت کی دعوت دی۔ میر سیّد ابراہیمؒ نے وہاں جانے سے انکار کیا، لیکن شیخ رکن الدّین سے کہا کہ وہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے مزار کے پاس جاکر مراقبہ کریں اور معلوم کریں کہ اس قوالی کے متعلّق اُن کا کیا خیال ہے اُنھوں نے ایسے ہی کیا اور حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے مزار کے پاس مراقبہ کرکے بیٹھ گئے۔ قوالی کی مجلس

---

[۱] حضرت تھانوی کے پسندیدہ واقعات ص ۲۳۳

گرم تھی تمام شرکاء جوش و خروش میں تھے کہ شیخ الدّین رحؒ کو کشف ہُوا کہ حضرت خواجہ قطب الدین رحؒ فرمارہے ہیں۔

"این بدبختاں دماغِ مارا بُردند — اِن بدبختوں نے ہمارا دماغ کھا رکھا ہے اور
ووقتِ مارا مشوش ساختند" — ہمارا وقت برباد کر رہے ہیں۔

شیخ رُکن الدّین رحؒ نے میر سیّد ابراہیم رحؒ کو اپنا یہ کشف سُنایا تو اُنھوں نے مُسکراتے ہُوئے فرمایا: اَب بھی آپ مجھ کو مجلسِ سماع کی شرکت سے معذور رکھیں گے یا نہیں؟ (حضرت شیخ الدّین رحؒ فرماتے ہیں کہ) مَیں نے عرض کیا۔

"ایں چنیں ست کہ می فرمائید — بات وہی صحیح ہے جو آپ فرماتے ہیں
حق بجانب شما است" — حق آپ ہی کی جانب ہے" [۱]

حضرت میر سیّد ابراہیم رحؒ کی ۹۵۳ھ میں وفات ہوئی اور حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء رحؒ کے مقبرے میں حضرت امیر خسرو رحؒ کی پائنتی آپ کی تدفین ہوئی۔ یہ واقعہ آج سے تقریباً پونے پانچ سو سال پہلے کا ہے، اُس زمانہ کے عرسوں اور قوالیوں کا یقیناً یقیناً وہ حال نہیں تھا جو آج کل کے عرسوں اور قوالیوں کا ہے لیکن اس کے باوجود وہ عرس وقوالی پسند نہیں کی گئی تو آج کل کے عرس وقوالی کیسے پسندیدہ ہو سکتے ہیں۔

نیک نفس قاضی

مشہور واعظ ملا معین ہروی جو اپنی کتاب معارج النبوت کی وجہ سے خاص طور پر مشہور ہیں ان کے پوتے جن کا نام بھی شیخ معین تھا۔ یہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں ہندوستان تشریف لائے اور لاہور کے قاضی مقرّر ہوئے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ ان کے متعلّق تحریر فرماتے ہیں۔

"ان کے قضا کے قصّے بھی بڑے دلچسپ ہیں بداؤنی کا بیان ہے کہ جب تک قاضی رہے

---

[۱] اخبار الاخیار فارسی ص۲۵۱، اُردو ص۵۱۲

لوگوں کا بیان ہے کہ ہمیشہ مُدَّعِی اور مُدَّعٰی عَلَیْہ میں مصالحت ہی کرانے کی کوشش کی اور کبھی خود کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا لکھا ہے کہ

"مدعی اگر الحاح بر فیصلِ قضا می نمود اُو بالحاح و عجز وزاری می گفت کہ از برائے خدا شما بایک دیگر صلح نمائید تا من و این میاں ماخوذ نہ شوم و شرمندہ نہ باشم، و نیز گفت کہ شما ہر دو دانائید و من تنہا نادان را بادو دانایاں کار اُفتاد پس مَرا شرمندہ درگاہِ خدا تعالیٰ مَسازید"

(مدعی اگر مقدمہ کے فیصلہ پر اصرار کرتا تو آپ اس سے بڑی الحاح وزاری سے کہتے خدا کے لیے تم آپس میں صلح کر لو تاکہ میں خدا کے سامنے ماخوذ اور شرمندہ نہ ہوں، پھر مدعی اور مدعٰی علیہ دونوں سے کہتے کہ تم دونوں دانا ہو میں اکیلا نادان تم دونوں کے درمیان پڑ گیا ہوں مجھ کو خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں شرمندہ نہ کرو۔)

یہ بھی لکھا ہے کہ اگر

"زنے از غَیبتِ شوہر طلبِ تفریق می کرد کفافِ اُورا از خود می داد و گفت این قدر وجہ معیشت بہ گیر و انتظار شوہر بَبرد و ازو جدا مشو"

(کسی عورت کا شوہر مفقود الخبر ہوتا اور وہ اُن کے ہاں آکر علیحدگی کی خواہاں ہوتی تو وہ اُس کو اپنے پاس سے خرچ دیتے اور کہتے کہ ابھی انتظار کرو اور اس سے علیحدگی اختیار نہ کرو)

مولانا گیلانی مزید لکھتے ہیں کہ

"اس سلسلہ میں عہدِ عثمانی کے ایک حاکم تقی یار جنگ کا خیال آتا ہے، سُنتے ہیں کہ جب کسی کا فیصلہ کرتے تو قلم سے فیصلہ لکھتے جاتے اور روتے جاتے، کہتے کہ دیکھیے فیصلہ کرنے والا ہمارے متعلق کیا فیصلہ کرتا ہے؟ ان کی عادت بھی یہی تھی کہ حتی الوسع فریقین کو مصالحت پر آمادہ کرتے۔"[1]

---

[1] پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ص ۸۱

درویشی میں مزدوری

حضرت خواجہ شمس الدّین ترکؒ (م ۷۱۹ھ/۱۳۱۹ء) نے اپنی روحانی تربیت کلیر شریف کے بزرگ حضرت علاء الدّین صابرؒ (م ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء) سے پائی، ان کے مُرشد نے اُن کو پانی پت میں جاکر قیام کرنے کا حکم دیا تو اُنھوں نے روحانی طور پر اس مقام کا بار اُٹھانے کی صلاحیت اپنے میں نہ پائی، اس لیے مُرشد کی اجازت سے مزید مجاہدہ و ریاضت کی خاطر مزدُوری کرنے لگے، دہلی آکر سلطان غیاث الدّین بلبن کی فوج میں سواروں کے زمرے میں شامل ہوگئے اور جب شاہی فوج ایک قلعہ کی تسخیر (جس کا نام معلوم نہیں) کے لیے روانہ ہوئی تو وہ بھی ساتھ گئے۔ قلعہ کی تسخیر میں بڑی دیر لگی، اسی دوران میں ایک سخت آندھی آئی اور بارش ہوئی شاہی لشکر کے تمام خیمے گر پڑے، بارش تیزی سے جاری رہی، سخت سردی پڑنے لگی اور کسی جگہ آگ باقی نہ رہی، سلطان غیاث الدّین بلبن کا سقہ اس کے وضو کا پانی گرم کرنے کے لیے آگ کی تلاش میں نکلا، اس نے دفعتہً دُور سے دیکھا کہ ایک خیمہ میں چراغ روشن ہے، یہ خیمہ حضرت خواجہ شمس الدّین ترکؒ کا تھا۔ سقہ دوڑا گیا خیمہ کے پاس گیا، دیکھا کہ ایک فقیر کلام مجید کی تلاوت کر رہا ہے، ان کے خوف سے سقہ آگ مانگ نہ سکا، لیکن اُنھوں نے سر اُٹھایا اور فرمایا کہ بھائی آؤ اور جتنی آگ چاہتے ہو لے جاؤ، وہ سامنے آیا، ایک لکڑی آگ سے جلائی، اور لوٹا لے کر لوٹ گیا، سقّہ اس خیمہ کو دیکھ کر پریشان تھا، صبح کے وقت اپنی مشک لے کر اُس خیمہ کی طرف چلا تو اس میں وہ بزرگ نہ تھے، لیکن قریب ہی ایک تالاب کے پاس ان کو وضو کرتے دیکھا، وہ ایک گوشہ میں کھڑا ہو گیا، لیکن جب وہ بزرگ وضو کر کے چلے گئے تو سقہ نے اسی جگہ سے مشک میں پانی بھرا، جاڑے کا زمانہ تھا۔ ہر جگہ پانی جما ہوا تھا، لیکن جس جگہ ان بزرگ نے وضو کیا تھا، وہاں کا پانی اس قدر گرم تھا کہ گویا کسی نے اس کو ابھی گرم کیا ہے۔

سقّہ نے اس کی خبر سلطان غیاث الدّین بلبن کو دی تو اس کو ان بزرگ سے

(بقیہ بر صفحہ ۶۴)

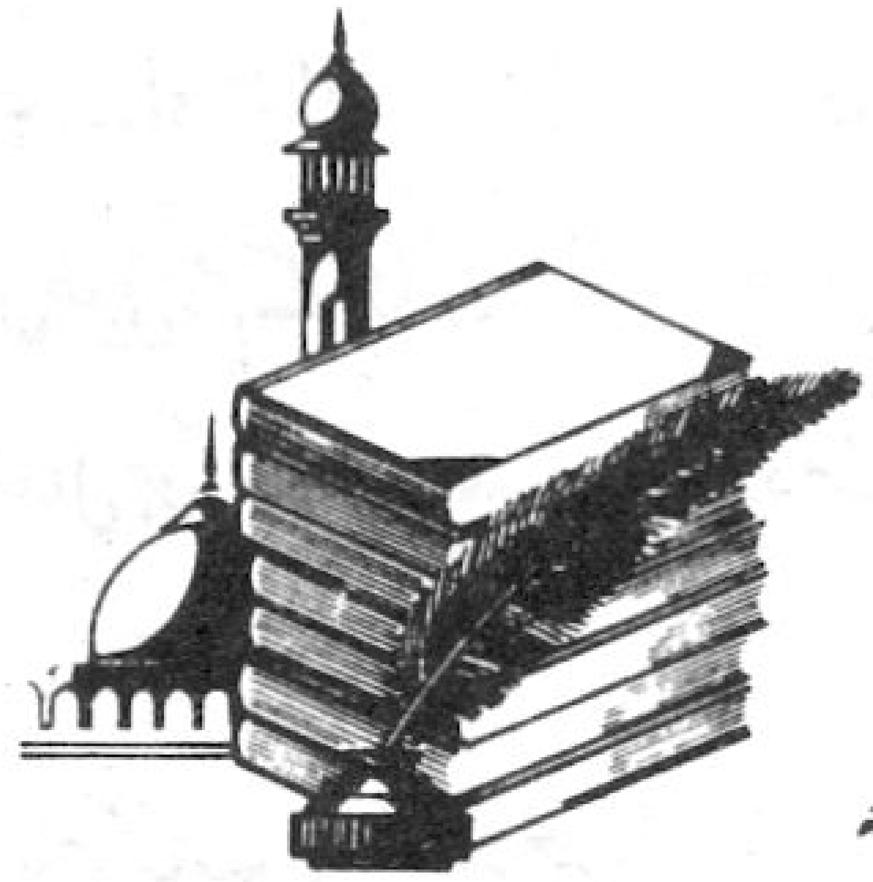

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : اعلام الحجر بما ورد فی اثبات عذاب القبر

تالیف : مولانا محمد یوسف صاحب رئیس دارالعلوم عثمانیہ رحیم یارخان

صفحات : ٤٠

ناشر : فتح اللہ متعلم دارالعلوم عثمانیہ رحیم یارخان

قیمت : ١٥/

اسلام کے مسلمہ عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد جب اسے قبر میں دفنا دیا جاتا ہے تو اِسی قبر میں اِسی جسم کے ساتھ عذاب وثواب کا معاملہ ہوتا ہے، چاہے اس کا جسم محفوظ ہو یا ذرات کی شکل میں بدل جائے۔ مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہوکر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا، پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارتاً اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنکڑوں احادیث متواترہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے، بد قسمتی سے کچھ لوگ اسلام کے اس مسلمہ عقیدے کے خلاف اپنے مزعومہ عقیدے کے پرچار میں لگے ہوئے ہیں جس سے سادہ لوح عوام تشکیک کا شکار ہو رہے ہیں۔

زیر تبصرہ رسالہ "اعلامُ الحجر" میں عذاب قبر کے مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور کتاب و سُنّت سے عذابِ قبر کو ثابت کرنے کے بعد اس کے خلاف پیش کیے جانے والے شُبہات کا جواب دیا گیا ہے جس کے بعد ایک منصف مزاج کے لیے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ رسالہ کا انداز عالمانہ ہے جس کی وجہ سے عوام کے لیے استفادہ مشکل ہے اگر اس میں مذکورہ احادیث اور عربی عبارات کا ترجمہ

کر دیا جائے اور اندازِ استدلال سہل کر دیا جائے تو عوام بھی استفادہ کر سکتے ہیں، رسالہ کا نام بھی ثقیل نظر آتا ہے اس طویل نام کے بجائے اگر مختصر اور سہل نام رکھ دیا جائے تو بہتر ہے۔ اُردو زبان میں لفظ میت مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ رسالہ میں متعدد مقامات پر مذکر استعمال کیا گیا ہے اس کی اصلاح ضروری ہے۔

نام کتاب : تحفۂ خیر خواہی بجواب مغالطات کیپٹن مسعود الدّین عثمانی

تالیف : ڈاکٹر مفتی عبدالواحد

صفحات : ۴۸

ناشر :

قیمت :

کراچی کے ڈاکٹر کیپٹن مسعود الدّین عثمانی صاحب نے اہلِ سُنّت والجماعت کے صحیح عقائد سے ہٹ کر بہت سے خود ساختہ عقیدے اپنائے ہیں جنہیں اُنھوں نے اپنے چند رسالوں میں بیان کیا ہے یہ عقیدے چونکہ انتہائی گمراہ کُن ہیں اس لیے ضرورت تھی کہ ان کی گمراہی کو واضح کیا جائے تاکہ سادہ لوح عوام ان کا شکار ہونے سے بچ سکیں، چنانچہ ہمارے جامعہ کے مفتی حضرت مولانا عبدالواحد صاحب نے اس ضرورت کا احساس فرماتے ہوئے عثمانی صاحب کے رسالوں پر نظر فرما کر ایک مختصر تحریر میں اُن کے پانچ عقائد کا جائزہ پیش فرمایا ہے جس کا نام آپ نے "تحفۂ خیر خواہی" رکھا ہے، عثمانی صاحب کے پیرو کار اگر اسے بنظرِ انصاف پڑھیں گے تو یقیناً یہ رسالہ اُن کے لیے باعثِ ہدایت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب کی اس کاوش کو قبول و منظور فرمائے۔ پانچ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر یہ رسالہ درج ذیل پتہ سے مفت منگوایا جا سکتا ہے۔ دارالافتاء جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور۔

نام کتاب : نصیر المنطق

تصنیف : حضرت مولانا محمد یُوسُف عبّاسی صاحب پشاور

صفحات : ۷۲

ناشر : شجاعت خان میموریل لائبریری راحت آباد پشاور

قیمت : درج نہیں

زیرِ نظر رسالہ میں منطق کے ابتدائی اور ضروری مباحث آسان انداز اور سہل زبان میں مفید مثالوں سے بیان کیے گئے ہیں اس لحاظ سے یہ رسالہ مدارسِ عربیہ کے طلبہ کے لیے کار آمد ہے۔

نام کتاب : کنز العلم والعمل

تالیف : محمد نذیر رانجھا

صفحات : ۱۴۶

ناشر : عتیق پبلشنگ ہاؤس ماڈل ٹاؤن کھوٹہ روڈ اسلام آباد

قیمت : ۹۰/

زیرِ تبصرہ کتاب میں حدیث شریف کی مشہور کتاب "کنز العمال" کی کتاب العلم میں مندرجہ چارسو اکیانوے ۴۹۱ احادیثِ مبارکہ کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے، جن میں علم سیکھنے سکھانے کی ترغیب اور علم پر عمل نہ کرنے پر وعید بیان کی گئی ہے۔ کتاب کے حجم کے اعتبار سے قیمت بہت زیادہ ہے اگر کم کی جائے تو بہتر ہوگا۔

نام کتاب : حقوق العباد احادیثِ مطہرہ کے آئینہ میں

تالیف : حضرت سرور میواتی

صفحات : ۴۸

ناشر : الپائن انڈسٹریل کون (پرائیویٹ) لمیٹڈ ۳۰۵/۲ جی ٹی روڈ باغبان پورہ لاہور۔

ہدیہ : دعائے خیر

رسالہ "حقوق العباد" میں حضرت سرور میواتی مدظلہ نے حقوق العباد کی اہمیت سے متعلق چالیس احادیثِ مبارکہ مع ترجمہ کے ذکر فرمائی ہیں جن سے حقوق العباد کی اہمیت اُن کی ادائیگی پر اجر اور عدمِ ادائیگی پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا پتہ چلتا ہے، یہ تمام احادیث آپ نے مشکوٰۃ شریف سے منتخب کی ہیں اور ہر حدیث کے ساتھ صفحہ کا نمبر ذکر دیا ہے۔ بعض مقامات پر مختصر فائدہ بھی ذکر کیا ہے

کتابت و طباعت عمدہ ہے یہ خوب صورت رسالہ تین روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر مندرجہ بالا پتے سے مفت منگوایا جاسکتا ہے۔

نام کتاب : احادیث نماز تالیف : مولانا محمد یوسف فقیر دہلوی رحمہ اللہ

صفحات : ۱۶ ناشر : مدرسہ ناصر العلوم مُدکے ضلع قصور۔

زیر نظر رسالے میں نماز سے متعلق بہت سی احادیث مبارکہ ذکر کی گئی ہیں جن میں نماز پڑھنے پر ملنے والے اجر و ثواب اور نہ پڑھنے پر وعید بیان کی گئی ہے یہ رسالہ ایک روپے کا ٹکٹ بھیج کر مندرجہ بالا پتے سے مفت منگوایا جاسکتا ہے۔ (ن - د)

بقیہ : حاصل مطالعہ

ملنے کا اشتیاق ہوا، وہ رات کو چپکے سے یا پیادہ ان کی قیامگاہ پر اس وقت پہنچا جب وہ کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھے، سلطان چپ چاپ دست بستہ کھڑا رہا، جب وہ تلاوت سے فارغ ہوئے تو اُن کی نظر سلطان پر پڑی، تعظیم کے لیے کھڑے ہوگئے اور سلام کیا، سلطان نے اظہارِ ادب کر کے عرض کیا کہ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے دوست میرے عہد میں موجود ہیں لیکن اس کے باوجود ہزار افسوس ہے کہ ابھی تک قلعہ فتح کرنے میں کامیابی نہیں ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ شمس الدین رحمہ اللہ نے ہر چند اپنے کو چھپانے کی کوشش کی، لیکن بے سود تھا۔ مجبوراً دعا کے لیے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اسی وقت حملہ کیا جائے، انشاء اللہ فتح ہوگی، سلطان نے ایسا ہی کیا، اور قلعہ فتح ہوگیا۔ دوسرے دن سلطان نے غایتِ مسرت میں برہنہ پا خواجہ شمس الدین رحمہ اللہ کی خدمت حاضر ہونے کا ارادہ کیا، لیکن خواجہ شمس الدین رحمہ اللہ کو اپنے نورِ باطن سے اس کا ارادہ معلوم ہوا تو کمبل اوڑھ کر شاہی لشکر سے چل کھڑے ہوئے اور اُن کا پھر کہیں لشکر میں پتہ نہ تھا[1]"

---

[1] سیر الاقطاب ص ۱۸۷ تا ۱۸۹ بحوالہ بزم رفتہ کی سچی کہانیاں ج ۱ ص ۷...

جامعہ مدنیہ لاہور کیلئے تعاون کی اپیل

جامعہ مدنیہ لاہور کا شمار ملک کے عظیم دینی اداروں میں ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء ۱۹۴۷ء میں ہوئی تھی۔ گویا اِس وقت جامعہ زندگی کی ۴۲ بہاریں پوری کرکے تینتالیسویں میں داخل ہو رہا ہے۔ بحمداللہ اس عرصہ میں جامعہ سے سینکڑوں علماء اور کثیر تعداد میں حفاظ و قراء تیّار ہوئے۔ بفضلہ تعالیٰ جامعہ میں درسِ نظامی درجاتِ تکمیل اور درجاتِ تجوید و قرأت عشرہ و حفظ و ناظرہ و دینیات کا مکمّل انتظام ہے۔ حتّٰی کہ طب کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ طلبہ خوشنویسی بھی سیکھتے ہیں۔

اس سال تقریباً ۱۰۰۰ طلبہ نے قابل و لائق اساتذہ کی زیرِ نگرانی مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کی، اُن میں ایک سو سے زائد طلبہ کے خورد و نوش و لحاف کپڑوں اور دیگر جملہ مصارف کا جامعہ کفیل رہا، لیکن گزشتہ چند سالوں میں ہوشربا گرانی نے اس درجہ پریشانی پیدا کر دی ہے کہ سب کارکنانِ مدرسہ اس بارے میں متفکر ہیں۔

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ علومِ اسلامیہ کا یہ عظیم مرکز بیش از بیش علمی خدمات انجام دے اور مہمانانِ رسول ان قدسی علوم سے بہرہ ور ہوتے رہیں تو آپ خود بھی اس نیک کام میں پُوری قوّت سے مدد کیجیے اور اپنے احباب کو بھی اس کارِ خیر میں حصّہ لینے کی ترغیب دیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے اپنے دینِ متین کی بیش از بیش خدمت لیں۔ آمین

ہم ہیں آپ کے مخلص

اراکینِ جامعہ مدنیہ، لاہور